داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد یوسف اصلاحی

اسلامک پبلیکیشنز، (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

Blank Page

داعئ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

کی

بارگاہِ قدس میں

ایک خطاکار اُمّتی

کا

نذرانۂ عقیدت و محبت

محمد یوسف

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

"داعیٔ اعظم" پہلی بار اپریل ۱۹۷۵ء میں ماہنامہ ذکریٰ رام پور کے ایک خصوصی نمبر کی حیثیت سے شائع ہوئی اور خدا نے اس کو اس قدر مقبولیت عطا فرمائی کہ جلد ہی کتابی شکل میں بھی شائع کی گئی۔ لیکن اس کی کتابت وطباعت کتاب کی شایانِ شان نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت پر ہمیشہ اثر رہا۔ اور برابر یہ فکر رہی کہ اللہ تعالیٰ بندوبست فرما دے تو اس کو معیاری شان کے ساتھ فوٹو آفسٹ سے شائع کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس کا انتظام فرمایا اور اب یہ کتاب فوٹو آفسٹ کی نہایت خوبصورت طباعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے ———— پھر اللہ نے کتاب پر نظرِ ثانی کی توفیق بھی عطا فرمائی، نظرِ ثانی میں مناسب حذف وترمیم بھی ہوئی مفید اضافے بھی کیے گئے اور اس طرح اب یہ کتاب پہلے سے کہیں زیادہ اہم قابلِ اعتماد، اور اثر انگیز ہو گئی ہے۔ وَلِلّٰہِ الحمد۔

"داعیٔ اعظم" زمانی ترتیب کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی پر کوئی مربوط اور مفصّل تصنیف نہیں ہے، بلکہ دعوت و تربیت کے پیشِ نظر ایک مختصر سا مجموعہ ہے ـــــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع زندگی اور سیرت کے عظیم ذخیرے سے کچھ مؤثر، مستند اور ایمان افروز واقعات جمع کرکے سیرتِ رسولؐ کے چار پہلوؤں کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔

حیاتِ رسولؐ کے منتخب واقعات سے ترتیب دی ہوئی یہ مختصر کتاب دراصل ہر اس مردِ مومن کی ضرورت ہے، جو رسولؐ کے مشن کو عام کرنے، آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کو پھیلانے اور اپنی زندگی کو ان تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کا عزم اور تڑپ رکھتا ہو۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب "شانِ بندگی" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و ریاضت کے ولولہ انگیز واقعات اور صبح شام کی مختلف دعائیں جمع کی گئی ہیں۔

دوسرے باب "داعیانہ تڑپ" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے سب سے نمایاں پہلو پر گفتگو کی گئی ہے، جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے "شاید آپ تو اپنے آپ کو ان لوگوں کے پیچھے ہلاک ہی کر ڈالیں گے اس غم میں کہ یہ لوگ اس پیغامِ حق پر ایمان نہیں لاتے"۔ (الکہف)

تیسرے باب "مثالی کردار" میں آپؐ کے دلآویز کردار کی کچھ ایمان افروز جھلکیاں دکھائی گئی ہیں جن سے بے پناہ جوشِ عمل پیدا ہوتا ہے اور دل میں عشقِ رسولؐ کی موجیں اُٹھنے لگتی ہیں۔

چوتھے باب "تعلیم و تربیت" میں ایسے واقعات جمع کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا پیغمبرانہ اندازِ تربیت کس قدر فطری، مؤثر اور دلنشین تھا۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس مختصر تالیف کو زیادہ سے زیادہ شرف قبول بخشے خاص طور پر ملّت کے شاہین بچے اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں اور اس کی اشاعت پر تمام مراحل میں تعاون کرنے والوں کو اجر و انعام سے نوازے اور مرتّب کے لیے اس کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

محمد یوسف اصلاحی

۳ ذوالقعدہ ۱۳۹۹ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء

جمعہ

تعارف

دس سال پہلے کی بات ہے، سیرت کے موضوع پر لکھنے کے لیے ایک خاکہ تیار کیا، آرزو یہ تھی کہ خدا مجھے بھی سیرت پاکؐ لکھنے والے خوش نصیبوں کی فہرست میں شامل فرمالے، کچھ صفحات لکھے بھی جو ملک اور بیرون ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے مگر ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ۱۹۶۶ء کے بنائے ہوئے خاکے کے مطابق ۱۹۷۶ء میں یہ مختصر سا مجموعہ مرتب کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ مجموعہ رسول پاکؐ کے حالات زندگی پر کوئی مفصل اور مرتب کتاب نہیں ہے بلکہ سیرت پاک کے صرف چار نمایاں پہلوؤں پر لکھنے کی ایک مبتدیانہ کوشش ہے۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ شانِ بندگی، داعیانہ تڑپ، مثالی کردار، تعلیم و تربیت۔

سیرت و تفسیر کے مستند ذخیروں سے ان ابواب میں قابلِ اعتماد معلومات فراہم کی گئی ہیں اور نہایت سادہ زبان اور عام فہم انداز میں اس جذبہ کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے کہ سیرت کا مطالعہ محض علمی ذوق کی تسکین اور کچھ معلومات کے حصول کے لیے نہ ہو بلکہ سیرت طیبہ کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کا جذبہ ابھرے اور اسلام کی دعوت و اشاعت کی تڑپ پیدا ہو۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور مرتب کے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین......

محمد یوسف اصلاحی
۳۰ مارچ ۱۹۷۶ء

فہرست

باب اول   شانِ بندگی

مکے والوں سے کشمکش کی اصل بنیاد ۱۴
ہجرت کا اصل محرک ۱۵
مسجد قبا کی تعمیر ۱۶
مسجد نبوی کی تعمیر کا ایمان افروز منظر ۲۰
مسجد سے شغف ۲۲
نبوت سے پہلے ۲۴
شب بیداری ۲۶
شانِ بندگی ۳۲
مسجد میں حاضری کا بے پایاں شوق ۳۵
نماز سے بے پناہ شغف اور تعلق ۳۷
نبیؐ کی دعائیں ۳۹
صبح و شام کی دعائیں ۴۰
سید الاستغفار ۴۰
سوتے وقت کی دعا ۴۱
نیند سے بیدار ہونے پر دُعا ۴۲
گھر سے نکلتے وقت کی دُعا ۴۳
سفر کے لیے سوار ہوتے وقت کی دُعا ۴۳
رنج و غم سے نجات کی دُعا ۴۵

مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر	۴۶
زیارتِ قبور کی دُعا	۴۶
ادائے قرض کی دُعا	۴۷
نیا لباس پہننے کی دُعا	۴۸
کھانے کے بعد کی دُعا	۴۸
نیا پھل کھانے کے بعد	۴۸
جامع دُعائیں	۴۹
خواب میں زیارتِ رسولؐ کی دعا	۵۱

باب دوم — داعیانہ تڑپ

سکون انگیز اضطراب	۵۴
داعی تمثیل کے آئینے میں	۵۴
داعی اسلام کا اضطراب	۵۵
مدثر کا خطاب اور اس کا مفہوم	۵۶
داعیانہ اضطراب کے محرکات	۶۰
چشمِ تصور سے نبیؐ کا دیدار	۶۱
داعیانہ اضطراب کے محرکات پر تفصیلی نظر	۶۴
فریضۂ رسالت کا شدید ترین احساس	۶۴
رضائے الٰہی کا بے پایاں شوق	۶۷
انسانیت کا سچا درد	۷۰
فلاحِ آخرت کی غیر معمولی فکر	۷۳
نبیؐ کے داعیانہ اوصاف	۷۵
داعی الی اللہ	۷۵

کامل نمونہ ۷۸
حکمت وسلیقہ ۸۱
اجتماعی جدوجہد ۸۸
صبروثبات ۹۲
قربانی اور جاں نثاری ۹۸
استعانت واستغفار ۱۰۶

باب سوم مثالی کردار

دلآویز شخصیت کی عظمت کا راز ۱۱۸
کردار کی ہیبت ۱۱۹
محسن آقا ۱۲۱
یتیموں کا والی ۱۲۵
یتیم کا غمخوار ۱۲۸
جامع اور دلکش شخصیت ۱۳۰
بے مثال مخدوم ۱۳۲
مثالی شوہر ۱۳۳
شفیق باپ ۱۳۸
نرم دل نانا ۱۴۵
ادب شناس بیٹا ۱۴۸
حق شناس بھائی ۱۴۹
مہربان خسر ۱۵۰
رحم دل بھتیجا ۱۵۲
ضعیفوں کا ماویٰ ۱۵۳

صادق و امین ۱۵۶
بے مثال فاتح ۱۵۹
راست باز شریک تجارت ۱۶۵
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا ۱۶۶
دیانت دار خریدار ۱۷۲

باب چہارم تعلیم و تربیت

نبیؐ اُمّی کا اصل کام ۱۷۶
مجلسِ نکاح میں موت کا ذکر ۱۷۸
دین کا صحیح تصور؟ ۱۸۰
جذبۂ شکر بیدار رکھنے کی تدبیر ۱۸۸
توبہ کی ترغیب کا نرالا انداز ۱۹۰
تفہیم و تعلیم کا پیغمبرانہ انداز ۱۹۳
خطابت کا شاہکار ۱۹۶
فکر و نظر کی تربیت ۱۹۹
ہجوم غم میں تلقین کا انداز ۲۰۴
جب نبیؐ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے ۲۰۵
نعت و سلام ۲۱۱

باب اوّل

شانِ بندگی

خدا کے رسولؐ شب کے آخری پہر میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے نماز پڑھتے رہتے، کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ اتنی مشقت کیوں اُٹھاتے ہیں؟ ——— فرمایا

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!

(بخاری عن زیاد رضؓ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکّے والوں سے کشمکش کی بنیاد

اللہ واحد کی عبادت کے لیے روئے زمین پر سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ خانہ کعبہ ہے، کرۂ ارض کے سارے مسلمان اسی کی طرف رُخ کر کے ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، نماز کی اصل جگہ یہی مسجد حرام ہے، اور دنیا کی ساری مسجدیں در اصل اسی کی قائم مقام ہیں، روئے زمین کے سارے مسلمانوں کا مرکز یہی بیت اللہ ہے، یہی برکت و ہدایت کا سرچشمہ ہے، خدا کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (آلِ عمران ۹۶)

بلاشبہ سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکّہ میں واقع ہے، اس کو خیر و برکت دی گئی اور سارے جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا۔

خدا کے رسول ﷺ جب مبعوث ہوئے، اس وقت یہ مرکزِ توحید دنیا کا سب سے بڑا بت خانہ تھا، ۳۶۰ جھوٹے خداؤں کے بت اس میں رکھے ہوئے تھے۔ اور یہاں ایک خدا کی عبادت کے بجائے ۳۶۰ جھوٹے خداؤں کی عبادت ہوتی تھی۔

خدا کے رسول ﷺ کا مشن یہ تھا کہ وہ اس گھر کو ان بتوں سے پاک

کریں اور یہاں ایک خدا کی عبادت کریں مکہ والوں سے آپ کی ساری کشمکش اسی بنیاد پر تھی، اسی کی خاطر آپ نے ہر طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، دل ہلا دینے والے ستم سہے، طعنے اور گالیاں سنیں، شعب ابی طالب میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں، بھوک اور پیاس کی تکلیفیں برداشت کیں، مظلومی اور بے کسی کی زندگی گزاری اور آخر کار اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت فرمائی

ہجرت کا اصل محرک

مدینے کی طرف ہجرت کا اصل محرک صرف یہ تھا کہ آپ ایک خدا کی عبادت کرنا چاہتے تھے، اور خدا کے بندوں کو یہی دعوت دیتے تھے، مگر مکے والے نہ اس کے روادار تھے، کہ آپ ان کے خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں نہ انہیں یہ گوارا تھا کہ آپ مکہ میں خدائے واحد کی عبادت کا پرچار کریں —— ان کا اصرار تھا کہ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کی عبادت ہوگی، اور آپ کا مشن یہ تھا کہ یہاں اس ایک اللہ کی عبادت ہو جس عبادت کیلئے ہی یہ تعمیر کیا گیا ہے۔

یہ کشمکش بڑھتی ہی گئی، اور مسلمانوں کیلئے مشرکین مکہ نے اپنے وطن کی زمین تنگ کر دی، مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی گئی اور مسلمانوں نے اس عزم و فیصلے کے ساتھ اپنا وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی، کہ وہ عبادت ایک ہی خدا کی کریں گے، چاہے اس کے لیے انہیں روئے زمین کے کسی خطے میں جانا پڑے، اس لیے کہ ان کے رب کا یہی حکم ہے،

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ؁ (العنکبوت: ۵۶)

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع

ہے پس تم میری ہی عبادت کرو۔

یعنی مکے کی سرزمین اگر ان ظالموں نے تمہارے لیے تنگ کردی ہے اور یہاں یہ لوگ تمہیں ایک خدا کی بندگی نہیں کرنے دیتے تو یہاں سے ہجرت کرجاؤ، خدا کی زمین بہت وسیع ہے، جہاں تمہیں یہ موقع ہو وہاں جاکر بس جاؤ۔ وطن، ملک، خاندان اور مال و دولت سب کچھ چھوڑا جاسکتا ہے مگر اپنا نصب العین نہیں چھوڑا جاسکتا۔

صحابۂ کرام گروہ در گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے، تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہی مکے میں رہ گئے۔

اس وقت مکہ کے مشرکین نے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ خاتم الانبیاء کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے۔ رات کے وقت کچھ نوجوانوں نے آکر رحمتِ عالمؐ کے گھر کو گھیر لیا، اور یہ سوچا کہ صبح کو جب آپ نکلیں گے تو یکبارگی سب کے سب آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔

تیرہ سال سے آپؐ ان کو خدائے واحد کی عبادت کا پیغام دے رہے تھے، لیکن ان سنگ دلوں نے آپ کی بات ان سنی کردی، اور آخرکار آپ اس رات مدینے جانے کے لیے اپنے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، نبوت کا تیرھواں سال تھا، ماہ صفر کی ۲۷ تاریخ تھی۔ جمعہ کی مبارک رات تھی آپ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے ان محاصرہ کرنے والوں کے درمیان سے نکلے لیکن خدا کی حفاظت اور انتظام کروہ آپ کو نہ دیکھ سکے، اور آپ رات کی تاریکی میں اپنے خاص رفیق کے ساتھ مکے سے مدینے کے لیے روانہ ہوگئے۔

مسجد قبا کی تعمیر

مدینے کے قریب پہنچ کر آپؐ نے قبا میں قیام کیا، مدینے سے

تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ یا قبا کہتے ہیں، یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ ممتاز خاندان عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ کلثوم رضؓ ابن الہدم خاندان کے بزرگ اور سردار تھے۔ آپؐ قبا میں پہنچے تو پوری بستی اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی، آپؐ نے یہاں تین روز قیام فرمایا اور اس سہ روزہ قیام میں آپؐ نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ایک خدا کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرائی۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جس میں عام طور پر کھجوریں سکھائی جاتی تھیں، اسی زمین میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ وہی مسجد ہے جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ ط (التوبہ ۱۰۸)

وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپؐ اس میں خدا کی عبادت کے لیے کھڑے ہوں۔

خدا کے رسولؐ نے یہ مسجد نہ صرف یہ کہ اپنی نگرانی میں بنوائی، بلکہ اس کی تعمیر میں بنفس نفیس مزدوروں کے ساتھ کام کرتے رہے، آپؐ بھاری بھاری پتھر اپنے مبارک کندھوں پر اٹھاتے، جاں نثار آ کر کہتے، ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان آپ کیوں تھک رہے ہیں اور پتھر آپؐ سے لے لیتے، مگر آپؐ پھر دوسرا پتھر اٹھا لیتے اور برابر آپؐ سب کے ساتھ کام کرتے رہتے۔

مزدوروں کے ساتھ کام کرنے والوں میں عبداللہ بن رواحہؓ

بھی تھے یہ اپنے زمانے کے اچھے شاعر تھے۔ مزدوروں کے ساتھ جوش میں کام کرتے اور یہ اشعار گاتے جاتے۔

أَفْلَحَ مَنْ يُعَالِجُ الْمَسَاجِدَا　　وَيَقْرَءُ الْقُرْآنَ قَائِمًا وَقَاعِدًا
وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا

وہ کامیاب ہو گیا جو مسجد کی تعمیر کرتا ہے اور جو اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔ اور اس کی رات سوتے ہوئے نہیں گزرتی۔

ابن رواحہ یہ اشعار پڑھتے تو خدا کے رسولؐ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے۔ پھر قبا سے سوار ہو کر آپؐ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ابھی بنی سالم کے گھروں تک ہی پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا آپؐ وہیں اتر پڑے اور ایک سو جاں نثاروں کے ساتھ داعیٔ توحید نے بنی سالم کے محلہ میں نماز جمعہ ادا کی یہ اسلام کا سب سے پہلا جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ تھا۔

جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر آپؐ یثرب کے جنوبی راستے سے شہر میں داخل ہوئے۔ آج یثرب کا نام بھی بدل گیا اور قسمت بھی یثرب مدینۃ الرسولؐ کہلایا جانے لگا۔ اور اسے رسولؐ کی بستی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا پھر دھیرے دھیرے مدینۃ الرسولؐ صرف مدینہ رہ گیا۔

مدینے میں داخلے کا منظر بھی بڑا ہی ایمان افروز تھا، ہر طرف تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں، راستوں پر دونوں طرف مرد اور بچے دیدار کے لیے بے تاب تھے گھروں کی چھتوں پر خواتین دیدار کے اشتیاق میں بے قرار تھیں اور معصوم بچیاں دف بجا بجا کر اور گیت گا گا کر آپؐ کا استقبال کر رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ　　يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

ہم خاندان نجار کی بچیاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی خوب پڑوسی ہیں۔

خدا کے رسولؐ ان پیاری معصوم بچیوں کے قریب گئے اور فرمایا کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟ بولیں، "جی ہاں" آپ نے ارشاد فرمایا میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔

اور پردہ نشین دوشیزائیں چھتوں پر چڑھ گئیں اور جوش و عقیدت سے یہ اشعار گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا ہم پر وداع کی چوٹیوں سے (مدینے کے جنوب سے) واجب ہے ہم پر شکر اس دعوت و تعلیم کا جس کی طرف یہ داعی ہمیں دعوت دے رہا ہے، اے ہماری طرف بھیجے جانے والے رسولؐ! جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں اس کی اطاعت کرنا ہی ہے۔

مدینہ میں ہر سو آج بے مثال چہل پہل تھی، ہر طرف خوشی کے ترانے گائے جا رہے تھے، ہر چہرے پر رونق تھی، اور ہر دل آج مسرت کے جذبے سے معمور تھا، مدینے کی تاریخ میں آج جیسا روشن دن کبھی نہیں آیا تھا۔ سورج اپنی عالم تاب روشنی کے ساتھ ہر صبح طلوع ہوتا مگر شام کی بڑھتی ہوئی سیاہی روز اسے ڈھانپ لیتی، چاند بھی اپنی چاندنی بکھیرنے کے لیے وقت پر نکلتا، مگر صبح کی سفیدی اُسے بھی غائب کر دیتی، مگر آج یہ مغرب کے بجائے جنوب سے طلوع ہونے والا مہ کامل نورالٰہی تھا، اس شان کے ساتھ طلوع ہوا کہ اس کی روشنی اب کبھی ماند نہ پڑے گی رہتی زندگی تک یہ کبھی غروب نہ ہوگا۔ اور شب و روز کی گردش جب تک قائم رہے گی اس کی روشنی بڑھتی

ہی ہو جائے گی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

رسول پاکؐ کی اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور قدرت نے فیصلہ فرما دیا کہ رسول اعظمؐ کی میزبانی کا شرف اسی خوش نصیب کے لیے ہے، اور خدا کے رسولؐ سات ماہ تک حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں رونق افروز رہے ——— ابو ایوب انصاریؓ نے، جاں نثاری، عقیدت و محبت کا حق ادا کر دیا ان کا مکان دو منزلہ تھا سہولت کی وجہ سے رسولؐ کا قیام نیچے کی منزل میں اور یہ میاں بیوی اوپر رہتے تھے، سردی کا زمانہ تھا، اتفاق سے ایک رات پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا، اس خوف سے کہ پانی خدا کے رسولؐ پر نہ ٹپک جائے ان دونوں نے اپنا لحاف پانی میں ڈال کر اس کو جذب کرنے کی کوشش کی اور پوری رات یوں ہی بیٹھے بیٹھے گزاری، خدا ان سے راضی ہو۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر کا ایمان افروز منظر

مدینے میں قیام کے بعد آپؐ کو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ اس بستی میں خدا کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر ہو جائے۔ قیام گاہ کے قریب ہی ایک زمین تھی، مسجد کے لیے یہ زمین آپؐ کو پسند آگئی معلوم ہوا کہ اسعد بن زرارہؓ کی تربیت اور نگرانی میں دو یتیم بچے ہیں انہی کی یہ زمین ہے، آپؐ نے ان کو بلایا، سہل اور سہیل اپنی خوش نصیبی پر فخر کرتے ہوئے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے زمین کی قیمت معلوم کی، سہل اور سہیل انکار کرتے رہے، اور کہتے رہے یا رسولؐ اللہ! اس سے بڑی خوش نصیبی ہماری کیا ہوگی کہ ہماری زمین آپؐ خدا کی عبادت کا گھر بنانے کے لیے قبول فرمالیں!

—— ہم قیمت تو لینا چاہتے ہیں، مگر خدا کے رسول ؐ سے نہیں خدا سے لینا چاہتے ہیں۔ خدا سے تو ان خوش نصیبوں کو قیمت ملے گی ہی اور اس قیمت کا اندازہ ممکن ہی نہیں مگر یہاں خدا کے رسول ؐ نے بھی انہیں اس زمین کی قیمت دی۔ اور مسجد نبوی ؐ کی تعمیر شروع ہو گئی۔

صحابۂ کرام جوش و خروش کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ انصار بھی اور مہاجرین بھی، کوئی اینٹ پتھر ڈھو رہا تھا، کوئی گارا دے رہا تھا، کوئی دیوار چن رہا تھا، کوئی پانی لا رہا تھا اور جوش میں یہ سارے خوش نصیب معمار یہ رجز گا رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ   فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ

اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، اے خدا تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔

خدا کے رسول ؐ بھی ان کی آواز میں آواز ملاتے اور ان کے جوش عمل میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔ اور جب انصار دیکھتے کہ دو عالم کے سردار خدا کے حبیب ؐ بھی مزدوروں کے لباس میں اینٹ پتھر ڈھو رہے ہیں تو ان کے جذبات کا عجیب عالم ہوتا اور فرطِ جوش میں یہ شعر گانے لگتے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ   لَذَاکَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

اگر ہم بیٹھے رہیں اور خدا کے نبی ؐ کام کرتے رہیں تو ہمارا یہ رویہ انتہائی گمراہ کن ہوگا۔

مسجد تعمیر ہو گئی۔ کچی دیواریں، جو آٹھ نو ہاتھ سے زیادہ اونچی نہ تھیں اٹھا دی گئیں ان پر کھجور کے پتوں کی چھت چھا دی گئی۔ چھت ایسی کہ بارش ہوتی تو پانی ٹپکتا، اور مسجد میں کیچڑ ہو جاتی مگر اس کچی مسجد کے نمازی پکے تھے، اور اس چھوٹی سی مسجد کے امام، امام المرسلین ؐ

تھے۔ یہی وہ مسجد ہے جس میں دس سال تک خدا کے رسولؐ نے نماز پڑھائی، یہی وہ مسجد ہے جس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔

"میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے[1]، اور میرا ممبر حوض کوثر پر ہے"۔ (بخاری، مسلم)

نیز فرمایا

"جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقتوں کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور عذاب سے براءت لکھ دی گئی اور اسی طرح نفاق سے بھی براءت لکھ دی گئی"۔ (ترغیب)

اور یہ بھی فرمایا:۔

"میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے سوائے مسجد حرام کے"۔ (مسلم)

مسجد سے شغف

مسجد سے آپؐ کے بے پناہ تعلق، اور گہرے شغف کا حال یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی اور ازواج مطہرات کی رہائش کے لیے جو مکانات تعمیر کرائے وہ مسجد سے بالکل ہی متصل تھے، اتنے قریب کہ اعتکاف کے ایام میں جب آپ مسجد میں ہوتے تو آپؐ مسجد سے سر نکال دیتے اور خوش قسمت بیویاں گھر میں بیٹھے بیٹھے ہی آپؐ کا سر دھلا دیتیں۔

---

[1] اسی مقام کو ریاض الجنہ کہتے ہیں۔

مسجد سے غیر معمولی شغف اور تعلق رکھنے والوں کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔

"جب تم کسی کو دیکھو، کہ اُسے مسجد سے شغف ہے تو تم گواہ بن جاؤ کہ وہ شخص صاحبِ ایمان ہے، اس لیے کہ اللہ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط

خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"مسلمانوں میں بعض لوگ وہ ہیں جو مسجدوں میں جمے رہتے ہیں اور وہاں سے ہٹتے نہیں ہیں، فرشتے ایسے لوگوں کے ہمنشین ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ غائب ہو جائیں تو فرشتے ان کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اگر بیمار پڑ جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں، اور اگر کسی کام میں لگے ہوں تو فرشتے ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں مسجد میں بیٹھنے والا خدا کی رحمت کا منتظر ہوتا ہے۔" (مسند احمد)

مسجد کی طرف جانے والوں اور مسجد کی دیکھ بھال اور صفائی کرنے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:۔

- "جو لوگ صبح کے اندھیرے میں مسجد کی طرف جاتے ہیں قیامت میں ان کے ساتھ کامل نور ہوگا۔" (طبرانی)
- مسجد کا کوڑا کرکٹ صاف کرنا حسین آنکھوں والی حور کا مہر ہے۔ (بخاری، مسلم)
- صبح و شام مسجد کی طرف دوڑنے والوں کے لیے صبح و شام خدا مہمانی کا سامان تیار کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

ایک اور موقع پر مسجد سے تعلق کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

جس نے اہتمام کے ساتھ وضو کیا، اور زحمت کے موقع پر بھی اچھی طرح وضو کیا۔ پھر مسجد کی طرف روانہ ہوا، مسجد میں نماز پڑھی اور پھر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ گیا، تو ایسا شخص گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے گویا کہ اس نے آج ہی جنم لیا ہے۔

یہ بھلائی کے ساتھ زندہ رہا اور بھلائی پر ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ (ترمذی)

جو آدمی گھر سے وضو کرکے مسجد جاتا ہے اور صرف نماز ادا کرنے کے لیے ہی جاتا ہے، جب یہ آدمی مسجد میں پہنچتا ہے تو خدا اس شخص کے آنے سے ایسا ہی خوش ہوتا ہے جیسا کہ گھر والے کسی عزیز کے سفر سے واپس آنے پر خوش ہوتے ہیں۔ (ابن خزیمہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کبھی زور آندھی چلتی تو آپ گھبرائے ہوئے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے۔ (جمع الفوائد)

اور جب کبھی آپ کسی سفر سے واپس مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر مکان میں تشریف لے جاتے۔ (ابوداؤد)

نبوت سے پہلے

جدہ سے مکۂ معظمہ کی طرف جاتے ہوئے شہر سے تقریباً چار کلومیٹر پہلے ایک مشہور تاریخی پہاڑ ہے، جبل نور ــــ جبل نور کی تھکا دینے والی چڑھائی پر ایک تاریخی غار ہے، ''غار حرا'' مشکل سے اس غار کی لمبائی ۱۲ فٹ اور چوڑائی ۵ فٹ ہو گی، مگر یہ وہ عظیم غار ہے، جس سے پورے عالم کو روحانی زندگی تک کے لیے روشنی ملی۔ ــ خاتم النبیین کی یہ پہلی تربیت گاہ ہے، خدا کا مقدس فرشتہ اسی غار میں خدا کی وحی لایا۔ اور جبل نور کے اس مبارک غار سے ہی وہ نور ہدایت پھیلا، جس سے سارا

عالم جگمگا اُٹھا۔

خدا کے رسولؐ ستو اور پانی ساتھ لے کر اس غار میں چلے جاتے اور شب و روز رب کی بندگی میں لگے رہتے، یہ عبادت کیا تھی، قدرت کے کرشموں پر غور و فکر، ان سے عبرت پذیری، اپنے پروردگار کی یاد، اور اس سے لو لگائے رکھنے کا شوق، آپؐ کا یہ شوق اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جب ستو پانی ختم ہو جاتا تو آپؐ گھر آ کر پھر ان چیزوں کا انتظام فرماتے اور دوبارہ غار میں تشریف لے جا کر عبادت میں مشغول ہو جاتے ایک مغربی مورخ کارلائل ہیروز نے نبوت سے پہلے کی اس عبادت کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"دو سفر و حضر میں ہر جگہ محمدؐ کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے ہیں، میں کیا ہوں، یہ غیر فتناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں، کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ گنبد گرداں گردش لیل و نہار، چمکتے ہوئے ستارے برستے ہوئے بادل، کوئی بھی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔"

انہی ایام میں آپؐ کو سچے خواب نظر آنے لگے جو کچھ آپؐ شب میں دیکھتے وہی دن میں سامنے آ جاتا، چالیس سال کی عمر پوری ہوئی اور اکتالیسویں سال کا پہلا دن ہوا، تو روح الامین نبوت کی بشارت لے کر حاضر ہوئے۔ اور خدا نے آپؐ کو نبوت کے جلیل القدر منصب سے سرفراز فرمایا —— اور اب وحی کے ذریعے آپؐ کو نماز کی تعلیم دی گئی، نماز کے اوقات بتائے گئے —— اور عبادت کے طریقے سکھائے گئے جبریل امین آپؐ کو پہاڑی کے دامن میں لے گئے انہوں نے وضو کیا، آپؐ دیکھتے رہے، پھر آپؐ نے وضو کیا، جبریل امین نے

نماز پڑھائی اور آپؐ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ نماز پڑھی۔

شب بیداری

نبوت کے ابتدائی ایام میں سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ کا شوقِ عبادت اس قدر بڑھ گیا، کہ رات کا بڑا حصہ خدا کے حضور کھڑے اور نماز پڑھتے گزر جاتا، واقعہ یہ ہے کہ جس بھاری ذمہ داری کا بوجھ آپؐ پر ڈالا گیا، اس کے لیے ایسی ہی تیاری کی ضرورت تھی، اور سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات میں خدا نے آپؐ کو یہی ہدایت فرمائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو۔ مگر کم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔

ان آیات میں پہلی اور پانچویں آیت پر سوچئے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو نبی یا رسول کہہ کر پکارنے کے بجائے یَا أَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے) کہہ کر پکارا ہے، یہ بڑا ہی لطیف اور معنیٰ خیز اندازِ بیان ہے، مفہوم یہ ہے کہ اب آرام سے سونے کے دن گزر گئے اب آپؐ کے شانوں پر عالمِ انسانیت کی قیادت اور رہنمائی کا بوجھ ہے۔ اٹھیے اور اس عظیم ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لیے اس کے شایانِ شان تیاری کیجئے، یہ عظیم کام خدا سے زبردست

تعلق اور اس سے خصوصی قوت حاصل کیے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا اور پھر پانچویں آیت میں صاف صاف کہا کہ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں، یہ بھاری کلام قرآن پاک کا حامل اور امین بننا اور اس کے تقاضے پورے کرنا معمولی کام نہیں ہے، خود قرآن میں ایک مقام پر خدا کا ارشاد ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔

یہ بھاری کلام جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، اس کا تحمل، اس کے احکام و قوانین پر عمل اور اس کے مطابق تہذیب و تمدن کی تعمیر جدید اور پوری زندگی میں خوشگوار اسلامی انقلاب برپا کرنا ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری ذمہ داری کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی بھاری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ناگزیر ہے کہ آپ کی راتیں خدا کی یاد میں گذریں اور شب بیداری آپ کا مستقل شیوہ ہو۔

خدا کے رسولؐ نے جس محنت، لگن، اور شوق و ذوق کے ساتھ اس ہدایت پر عمل کیا وہ آپ ہی کا حق ہے اگیارہ ماہ تک آپ کا یہ حال رہا کہ آپ رات کے اکثر و بیشتر حصے میں خدا کے حضور ہاتھ باندھے کھڑے رہتے، کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سوج جاتے، آپؐ کے وفادار اور محبت کرنے والے ساتھی، اور عزیز ترس کھا کر آپ سے کہتے کہ یا رسول اللہ! آپؐ اتنی مشقت میں خود کو کیوں ڈال رہے ہیں!

گیارہ مہینے کے بعد جب سورۂ مزمّل کی اگلی آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ نے شب بیداری میں کسی قدر تخفیف کر دی مگر شوقِ عبادت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ آپؐ کی راتوں کا خاصا حصّہ پھر بھی عبادت و ریاضت ہی میں بسر ہوتا۔ آپؐ نے اپنی زندگی سے اُمّت کو یہی سبق دیا کہ خدا کے محبوب بندے وہی ہیں جو شب کی تنہائیوں میں اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہیں اور اس کی عبادت و ریاضت میں سرگرم رہ کر بندگی کا حق ادا کرتے ہیں۔

ایک صحابی نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض سے کہا، نبی کریمؐ کی کوئی خصوصی بات آپ نے دیکھی ہو تو بتائیے، حضرت عائشہ رض نے فرمایا۔

"آپؐ کی ہر بات ہی عجیب تھی، کس کس بات کا تذکرہ کروں، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ خدا کے رسولؐ میرے ہی گھر میں آرام فرما تھے، رات کچھ گزر چکی تھی کہ یکایک آپؐ اُٹھے اور باہر نکل گئے۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے ـــــ آج تو میری باری کا دن تھا اور آپؐ کہیں اور جا رہے ہیں، یہ سوچ کر میں بھی پیچھے ہو لی، آپؐ مسجد میں داخل ہوئے، کچھ دیر ٹھہر کر میں بھی اندر پہنچ گئی، اور میں نے عجیب و غریب رقت انگیز منظر دیکھا، ہائے اللہ! میں کس خیال میں ہوں اور خدا کا رسولؐ کس حال میں ہے، بے ساختہ میری زبان سے نکلا، آپؐ اپنے رب کے حضور ایک عاجز بندے کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں، ہچکی بندھی ہوئی ہے، آنسو بہ رہے ہیں۔ ریش مبارک تر ہو گئی ہے اور سینے تک آنسو بہ رہے ہیں، پھر آپؐ نے رکوع فرمایا، رکوع میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ کیا سجدے میں بھی روتے رہے پھر سجدے سے اُٹھے اور برابر روتے

رہے، کسی طرح آپ کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ ستارے ڈوبنے لگے اور بلالؓ نے آکر فجر کی اذان دی۔ نماز سے فارغ ہو کر جب آپ اندر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے دونوں پاؤں سوجے ہوئے ہیں، ایڑیوں کے انگوٹھے پھٹ گئے ہیں اور ان سے پانی رس رہا ہے، میں نے گلوگیر آواز میں کہا، یا رسول اللہ، خدا آپؐ کو سلامت رکھے، آپؐ کیوں اپنے کو ہلکان کیے لے رہے ہیں، خدا نے آپؐ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف فرما دی ہیں تو پھر آپؐ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں؟"

حضورؐ نے فرمایا، "عائشہ! جب میرے رب نے مجھ پر بے پایاں کرم کیا ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!" اس کے بعد فرمایا، "عائشہ! میں ایسا کیوں نہ کروں جبکہ آج مجھ پر یہ آیتیں خدا نے نازل فرمائی ہیں" اور پھر آپؐ نے سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیتیں سنائیں۔

یہ آیتیں آگے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت میں آرہی ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں ایک رات میں نے دیکھا کہ خدا کے رسولؐ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں، عاجز بندے کی طرح ہاتھ باندھے خدا کے حضور کھڑے ہیں، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، اور آپؐ ایک ہی آیت بڑی رقت اور دل بستگی کے ساتھ دہرا رہے ہیں۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (المائدہ ۱۱۸)

اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ انہیں معاف فرما دیں تو آپ غالب اور حکیم ہیں۔

یہی آیت پڑھتے پڑھتے آپؐ نے پوری رات گزار دی یہاں تک کہ صبح کے موذن نے صبح ہونے کا اعلان کیا۔

تہجد کی نماز آپ انتہائی اہتمام اور پابندی سے پڑھتے ایک دن حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے یہاں یہ دیکھنے کے لیے سوئے کہ شب میں خدا کے رسولؐ نماز تہجد کس طرح پڑھتے ہیں، ان کا بیان ہے:۔

"زمین پر ایک فرش بچھا ہوا تھا اسی پر دونوں جہان کے سردار سو گئے۔ میں بھی اسی پر آڑا آڑا سو گیا۔ آدھی رات گزری تو خدا کے رسول آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے رات کا سناٹا تھا، آسمان پر بکھرے تارے جھلملا رہے تھے۔ آپؐ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ

رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا
وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ
قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ
وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○

(آل عمران ۱۹۰-۱۹۵)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کی گردش میں ان دانشمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، (تو وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار یہ سب تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت اور رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ مالک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو تو ہم نے اس کی دعوت قبول کرلی ا پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما۔ جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کردے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر! پروردگار! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے کیے

ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے روز ہمیں رسوائی میں نہ ڈال۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔

جواب میں ان کے رب نے فرمایا میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، لہذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان سب کے قصور میں معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔

شانِ بندگی

بدر کے میدان میں ایک طرف ہزاروں کی فوج ہے، جن کے پاس بہترین سواریاں بھی ہیں اور ضرورت سے زیادہ ہتھیار بھی، دوسری طرف صرف ۳۱۳ جاں نثار ہیں، جن کے پاس نہ ضرورت بھر سواریاں ہیں نہ ضرورت بھر ہتھیار، مگر یہ نہتے جاں بازان مسلح جوانوں سے ٹکر لینے کے لیے بے تاب ہیں۔

یہ رقت انگیز منظر رسولِ خدا کے سامنے ہے، آپ پر سخت خضوع طاری ہے، بار بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھ رہے ہیں اور ہاتھ پھیلا کر آپ اپنے خدا سے گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے پروردگار! اپنا وعدہ پورا کر، آپ پر ایسی محویت اور بے خودی

طاری ہے کہ بار بار چادر شانوں سے گر گر پڑتی ہے، اور آپ کو خبر تک نہیں ہوتی، دشمن طاقت کے نشے میں مست، بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے ہیں، خدا کے سپاہی جوش جہاد سے سرشار ان کے حملوں کا جواب دے رہے ہیں، اور شدید جنگ برپا ہے جنگ کی اسی شدت کے دوران علی مرتضیٰؓ تین بار حضورؐ کی خبر لینے آئے مگر ہر بار آپ نے دیکھا کہ سرورِ کائنات سجدے میں پڑے ہوئے ہیں گھٹی گھٹی آواز نکل رہی ہے، اور آپ رو رو کر اپنے رب سے فریاد کر رہے ہیں۔

"پروردگار! میں نے کل کائنات تیری رضا کے لیے بدر کے میدان میں لاکر ڈال دی ہے۔ پروردگار! اگر آج یہ چند جانیں ضائع ہو گئیں تو پھر اس زمین پر کبھی تیری عبادت نہ ہو سکے گی"

یہ عجز و انکسار، یہ گریہ و زاری، یہ رقت و فریاد، اور یہ اضطراب و بے قراری دیکھ کر رسولؐ کے فداکاروں پر بھی رقت طاری ہو گئی اور صدیق اکبرؓ نے آگے بڑھ کر گلوگیر آواز میں اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہوئے کہا،

حضورؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! خدا آپ کو ہرگز مایوس نہ کرے گا۔ وہ آپ سے کیا ہوا وعدہ ضرور وفا فرمائے گا ــــــ اور آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سر اٹھایا۔

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝

یہ سب شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

بارہ ہزار سرفروش ہتھیاروں سے لیس حنین کی طرف بڑھے، اور اپنی تعداد اور ساز و سامان دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"! دفعتہً دشمنوں نے ایسا دھاوا بولا کہ اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، ہوازن کے ہزاروں نشانہ باز

تیروں کی بارش کر رہے تھے۔ مگر خدا کے رسول اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جمے کھڑے تھے۔ آپ نے داہنی جانب نگاہ ڈالی اور انصار کو پکارا انصار پلٹ پڑے، ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہم حاضر ہیں کی صدا گونجی ——— پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر دیکھا اور پکارا، جاں نثاروں کی آواز پھر گونجی ہم حاضر ہیں آپ سواری سے اتر پڑے اور پیغمبرانہ جلال کے ساتھ فرمایا:-

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں خدا کا نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اور اسلامی جاں باز پلٹ پڑے۔ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ہر طرف تلواریں چمک رہی ہیں ہاتھ پاؤں، گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں، لڑائی شباب پر ہے کہ نماز کا وقت آجاتا ہے یکایک نماز کی صفیں قائم ہو جاتی ہیں۔ فوجوں کی کمان کرنے والے امامت کے مصلّے پر پہنچ جاتے ہیں، جاں باز سپاہی امام کے پیچھے نماز کی صفیں بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور قہر و غضب کے پیکر سپاہی، عجز و بندگی اور خشوع و خضوع کی تصویر بن جاتے ہیں۔ جاں باز سپاہی آدھی نماز پڑھ کر دشمن سے جا بھڑتے ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے والے آکر نماز میں شامل ہو جاتے ہیں اور خدا کے رسول ہر خوف سے بے نیاز خدا کے حضور عجز و نیاز کی تصویر بنے کھڑے رہتے ہیں، اور فضا اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھتی ہے، بندگی کی یہ شان دیکھ کر دشمن لرز اٹھتا ہے۔

سرورِ کائنات اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں، گھر کے لوگ بھی رسول کے پاس بیٹھے ہیں گھر اور خاندان کے مسائل پر بات چیت ہو

رہی ہے بلکہ خود آپ بھی گفتگو میں دلچسپی لے رہے ہیں، خلوص اور لگاؤ کی پُرمسرت فضا ہے، اسی دوران مسجد سے آواز بلند ہوتی ہے اَللّٰہُ اَکْبَرْ پہچانی پہچانی آواز کان میں پڑتے ہی رسول اللہ یکایک کھڑے ہوتے ہیں اور مسجد کی طرف چل دیتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب رسول اللہ کے لیے یہ سب اجنبی ہیں گویا آپ کو ان لوگوں سے کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔

ایک موقع پر فتح کے بعد مجاہدین اسلام غنیمت کا مال دیکھ دیکھ کر خوشی میں جھوم رہے ہیں غنیمت کا مال فروخت ہو رہا ہے، ہر ایک کو ہزاروں کی رقم مل رہی ہے ایک مجاہد خوش خوش اپنے آقا کے حضور آکر کہتے ہیں "یا رسول اللہ! آج تو میں نے غنیمت میں اتنا کچھ حاصل کیا ہے، کہ کبھی حاصل نہیں کیا تھا تین ہزار سے زیادہ ملے ہیں، یا رسول اللہ! بس تو آج مالا مال ہو گیا۔

یہ سن کر رحمت عالم مسکرائے اور فرمایا "میں اس سے بھی زیادہ نفع کیوں نہ کماؤں؟"

وہ کیا یا رسول اللہ! سراپا اشتیاق بن کر صحابی پوچھتے ہیں "وہ یہ کہ دو رکعت فرض نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھوں"۔

پیغمبر خدا نے جواب دیا۔ (ابوداؤد)

مسجد میں حاضری کا بے پایاں شوق

حضرت اسود کہتے ہیں ایک دن ہم لوگ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر تھے، دورانِ گفتگو، نماز کی پابندی مسجد کی حاضری اور جماعت کی فضیلت کا تذکرہ چھڑ گیا، اس پر اُمّ المومنین نے خدا کے رسول کا ایک بڑا ہی رقت انگیز اور سبق آموز واقعہ سنایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھتی ہی جا رہی تھی، کمزوری تو اس قدر بڑھ گئی تھی، کہ کھڑے ہوتے تو آنکھیں رہنے لگتیں، موذن نے مسجد نبوی میں ظہر کی اذان دی اور اذان سنتے ہی آپ بے چین ہو گئے، جسم میں جانے کی ہمت کہاں تھی، لیکن آپ شوق میں کروٹیں بدلنے لگے ـــ افاقہ ہو گیا تو فرمایا "ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں"

"حضورؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ـــ اماں جان حضرت ابوبکرؓ نہایت ہی رقیق القلب ہیں، آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے، تو ان کا دل بھر آئے گا، اور رونے لگیں گے ـــ ارشاد ہو تو عمرؓ بن الخطاب سے نماز پڑھانے کے لیے کہہ دیا جائے ـــ میں نے خدا کے رسولؐ سے کہا" "نہیں ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں" خدا کے رسولؐ نے پھر اپنا فیصلہ سنایا، اور کسی قدر رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، "تم لوگ تو مجھ سے ایسی بحث کر رہی ہو جیسی یوسفؑ سے خواتینِ مصر کر رہی تھیں" اور حضرت ابوبکرؓ کو خدا کے رسولؐ کا حکم پہنچا دیا گیا۔

اسی دوران آپ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا، بے پایاں شوق نے آپ کو مجبور کیا، اور آپ نے کہا، میں بھی مسجد جاؤں گا۔ اور حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا "مجھے مسجد پہنچا دو" میری نگاہوں میں وہ پورا نقشہ اب تک گھوم رہا ہے۔ خدا کے رسولؐ علیؓ اور عباسؓ کے کندھوں پر سہارا لیے چلنے کی کوشش فرما رہے تھے، مبارک قدم زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے، پاؤں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ قدم زمین پر جما سکیں اور اٹھا سکیں، دو خوش نصیبوں کے کندھوں پر سہارا لیے، گھسٹتے قدموں سے آپ مسجد میں پہنچے۔ ابوبکرؓ ارشاد کے مطابق نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ محسوس کی تو پیچھے کھسکنے لگے۔ آپؐ نے اشارے سے روکا

——— آپ برابر میں بیٹھے اور نماز ادا فرمائی۔

نماز سے بے پناہ شغف اور تعلق

رحمتِ عالمؐ قرنِ الثعالب میں مغموم اور متفکر بیٹھے ہیں، زخموں سے نڈھال ہیں، اور ان سے مسلسل خون رِس رہا ہے۔ حضرت زیدؓ کی نظریں چہرۂ انور پر ہیں، دل غم سے پھٹا جا رہا ہے، آپ طائف والوں کو رحمتِ رب کا پیغام دینے گئے تھے، لیکن، عبدیالیل، مسعود، حبیب نے پہلے تو طنز و تشنیع اور توہین و استہزا کے تیروں سے رسولؐ کا دل چھلنی کیا اور پھر ان سیاہ بخت سرداروں نے اوباشوں اور آوارہ لڑکوں کو پیچھے لگا دیا۔

رحمتِ عالمؐ رحمت کا پیغام دے رہے تھے اور وہ پتھر برسا رہے تھے، اتنے پتھر برسائے کہ آپ زخموں کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، حضرت زیدؓ نے اپنی پیٹھ پر اٹھایا، آبادی سے باہر لے گئے اور آپ نے قرنِ الثعالب میں پہنچ کر ذرا سکون کی سانس لی پھر مکے کو واپس ہوئے، واپسی پر کہا گیا، یا رسولؐ اللہ! ان ظالموں کے حق میں بد دعا کیجئے۔

رحمتِ عالمؐ کا دل بھر آیا اور فرمایا میں بد دعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کی نسلیں ایمان لے آئیں۔

اُحد کی جنگ میں مجاہدین نے جب دیکھا کہ میدان ان کے ہاتھ رہے تو مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ اور اس درّے کے تیر انداز بھی درّے سے ہٹ آئے، جن کو وہاں جمے رہنے کی سخت تاکید تھی اور دشمن نے موقع پایا، پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ مجاہدین حواس باختہ ہو گئے اور میدان

چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

مگر کوہِ استقامت اپنی جگہ سے نہ ٹلا۔ تیروں کی موسلادھار بارش میں آپؐ جمے کھڑے رہے، آپؐ کے اردگرد صرف چند جاں نثار اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے رہ گئے ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعد بن وقاصؓ، طلحہؓ بن عبداللہ، زبیرؓ بن عوام، ابو عبیدہؓ بن جراح، اور چند اور فدا کار، دشمنوں نے پیکرِ رحمت پر پتھروں کی بارش شروع کر دی، ابن قمیہ کا پتھر روشن پیشانی پر لگا اور خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ ابن ہشام کا پتھر بازو پر لگا اور بازو زخمی ہو گیا، عتبہ کے پتھر سے رحمتِ عالمؐ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ اب مجاہدین کی نظر پیکرِ جمال پر پڑی اور وہ پھر سمٹ آئے، اسی دوران قریش کا سنگ دل بہادر عبداللہ بن قمیہ صفوں کو چیرتا پھاڑتا رحمتِ عالمؐ کے قریب آیا، اور چہرۂ انور پر تلوار ماری، خود کی کڑیاں چہرۂ مبارک میں گھس گئیں آپؐ زخموں کی تاب نہ لا کر ایک گڑھے میں گر پڑے۔

جاں نثار یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور کہا "یا رسول اللہؐ! ان مشرکین کے حق میں بد دعا فرمایئے۔"

پیکرِ رحمت گویا ہوئے فرمایا "میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا ہوں مجھے تو خدا کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنایا گیا ہے، اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔"

حیرت ہے کہ ان نازک ترین اور سخت ترین موقعوں پر نبیؐ کی زبان سے دعا ہی کے کلمات نکلے لیکن غزوۂ احزاب میں جب خدا کے دشمنوں نے آپؐ کو عصر کی نماز پڑھنے کی مہلت نہ دی، تو نماز قضا ہونے کا صدمہ آپؐ برداشت نہ کر سکے اور آپؐ کی زبان سے ان کے لیے بد دعا کے وہ کلمات نکلے جن سے زیادہ سخت کلمات کا تصور بھی نہیں

کیا جاسکتا آپؐ نے فرمایا:۔

حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ

مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا (متفق علیہ)

ان دشمنوں نے ہمیں نمازِ عصر پڑھنے سے آج روکے رکھا

خدا ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

چہرہ انور زخمی ہو یا دانت ٹوٹ جائیں، گڑھے میں گر پڑیں یا جان چلی جائے سب کچھ برداشت ہے لیکن نمازِ عصر قضا ہو جائے خدا کے رسولؐ یہ برداشت نہیں کر سکتے،

اللہ اکبر یہ شانِ بندگی خاتم النبیین ہی کا حصہ ہے۔

نبیؐ کی دُعائیں

داعیٔ اعظمؐ کی حیاتِ طیبہ توازن، امتزاج اور اعتدال کا انتہائی جامع متوازن اور دلکش نمونہ تھی، بے پایاں شوقِ بندگی اور بے مثال ذوقِ عبادت کے باوجود آپؐ نے نفس کے حقوق کا بھی لحاظ رکھا، عائلی زندگی کے وظائف بھی ادا کیے، خاندانی اور سماجی حقوق و فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیئے، منصبِ رسالت کے عظیم فرائض بھی ادا کیے اور اجتماعی زندگی کی گوناگوں ذمہ داریاں بھی بحسن و خوبی انجام دیں، لیکن زندگی کے ہر میدان میں شانِ بندگی نمایاں رہی مومنانہ زندگی کی اصل دلکشی اور رعنائی عبادت و ریاضت اور ذکر و دعا ہی سے ہے اور خدا پرستی، دینداری للٰہیت اور اسلام کی نمائندگی کا حق ادا نہیں ہو سکتا اگر مومن کی زندگی کے تمام معاملات میں شانِ عبدیت چھائی ہوئی نہ ہو، یہ شانِ عبدیت ہی تھی کہ نبیؐ کم شب و روز کی گردش میں

ہر ہر موقع پر خدا کی یاد اور دعاؤں کا غیر معمولی اہتمام فرماتے تھے اور پوری زندگی یہی معمول رہا۔

صبح و شام کی دُعا

حضرت عثمانؓ بن عفان کا بیان ہے کہ خدا کے رسولؐ کا ارشاد ہے "جو شخص ہر صبح اور ہر شام تین بار یہ دُعا پڑھ لے اُسے دُنیا کی کوئی چیز ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتی"

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

خدا کے نام سے (ہر کام کا آغاز ہے) جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سید الاستغفار

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شداد بن اوسؓ سے فرمایا، سید الاستغفار یعنی سب سے جامع دعائے مغفرت یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْۢبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (بخاری، ترمذی، نسائی وغیرہ)

خدایا! تو میرا پروردگار ہے تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں

نے تجھ سے بندگی اور اطاعت کا جو پیمان باندھا ہے اس
پر میں اپنے بس بھر قائم رہوں گا۔ اور جو گناہ بھی مجھ سے سرزد
ہوئے۔ ان کے نتائج بد سے بچنے کے لیے میں تیری پناہ
کا طالب ہوں، تو نے مجھے جن جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کا
میں اقرار کرتا ہوں اور مجھے اعتراف ہے اپنے گناہوں کا۔
پس اے میرے پروردگار! میرے جرم و گناہ کو معاف فرما
دے، تیرے سوا میرے گناہوں کو اور کون معاف کرنے
والا ہے۔

سوتے وقت کی دعا

حضرت حذیفہ رض کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلعم جب سونے
لگتے تو یہ دُعا پڑھتے۔

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيَا (بخاری، مسلم)

اے اللہ! میں تیرے ہی نام سے موت کی آغوش میں جاتا ہوں ا
اور تیرے ہی نام سے زندہ اٹھوں گا۔

حضرت براء رض کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کے
لیے لیٹتے تو اپنا دایاں ہاتھ رُخسار کے نیچے رکھ کر یہ دعا پڑھتے۔

رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

خدایا مجھے اس روز اپنے عذاب سے بچا جس روز تو اپنے
بندوں کو اپنے حضور اٹھا کر حاضر کرے گا۔

حصن حصین میں ہے کہ آپ یہ کلمات تین بار پڑھتے۔

حضرت ابو ہریرہ رض کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب
رات میں سونے کے لیے بستر پر لیٹتے تو دایاں ہاتھ اپنے رُخسار کے

نیچے رکھتے پھر یہ دُعا کرتے۔

بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔ (بخاری)

اے میرے رب! تیرے ہی نام سے میں نے اپنا پہلو بستر پر رکھا، اور تیرے ہی سہارے میں اس کو بستر سے اٹھاؤں گا، اگر تو رات ہی میں میری جان قبض کرے تو اس پر رحم فرما، اور اگر تو اسے چھوڑ کر مزید مہلت دے تو اس کی حفاظت فرما۔

نیند سے بیدار ہونے پر دُعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ (بخاری، مسلم)

شکر و تعریف اس خدا کے لیے جس نے ہمیں مردہ کر دینے کے بعد پھر زندگی بخشی اور اسی کے حضور اٹھ کر حاضر ہونا ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رات میں جب آنکھ کھل جاتی تو یہ دُعا پڑھتے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ، اَللّٰهُمَّ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ، اَللّٰهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ

رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)

کوئی معبود نہیں تیرے سوا، تیری ذات پاک بے عیب ہے، اے اللہ! تجھ سے اپنے گناہ کی معافی کا طلبگار ہوں اور تیری رحمت کا سائل ہوں، خدایا! میرے علم میں اضافہ فرما۔ اور جب تو نے مجھے سیدھی راہ پر لگا دیا ہے تو میرے دل میں کجی نہ پیدا فرما۔ اور اپنے خاص خزانے سے مجھے رحمت عطا فرما، کہ بے شک تو ہی حقیقی فیاض ہے۔

گھر سے نکلتے وقت کی دُعا

حضرت اُمّ سلمہ رضؓ کا بیان ہے، کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی میرے گھر سے باہر نکلتے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ، اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ، اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں بھٹک جاؤں یا کوئی مجھے بھٹکا دے، میں خود لغزش کھا جاؤں یا کوئی مجھے ڈگمگا دے، میں خود کسی پر ظلم کر بیٹھوں یا کوئی دوسرا مجھ پر ظلم کرے۔ میں خود نادانی پر اُتر آؤں یا دوسرا مجھ سے نادانی کا برتاؤ کرے۔"

سفر کے لیے سوار ہوتے وقت کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم سفر پر روانہ ہوتے وقت جب سواری پر اچھی طرح آرام سے بیٹھ جاتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے اور پھر پڑھتے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ (زخرف ۱۳، ۱۴)

پاک اور بے عیب ہے وہ ہستی جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا ورنہ ہم تو اسے قابو میں نہ کر سکتے تھے اور ہمیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

اس کے بعد آپ یہ دُعا مانگتے۔

اَللّٰھُمَّ نَسْاَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَہٗ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ وَدَعْوَۃِ الْمَظْلُوْمِ۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کی توفیق چاہتے ہیں اور ایسے کاموں کی توفیق جو تیری خوشنودی کے ہوں، خدایا ہم پر یہ سفر آسان فرما دے، اور اس کا فاصلہ ہمارے لیے مختصر کر دے، اے اللہ! تو ہی اس سفر میں ہمارا رفیق ہے اور تو ہی گھر والوں میں خلیفہ اور نگراں ہے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقتوں سے، ناگوار منظر سے، اور اپنے مال، اپنے متعلقین اور اپنی اولاد میں بُری واپسی سے اور اچھائی کے بعد بُرائی سے اور مظلوم

کی بد دعا سے۔

رنج وغم سے نجات کی دعا

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی رنج وغم میں مبتلا ہوتے تو یہ دعا کرتے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (بخاری، مسلم)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، عرشِ کریم کا مالک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس بندے کو بھی کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے اور وہ یہ دعا مانگے خدا تعالیٰ اس کے رنج اور تکلیف کو ضرور راحت ومسرّت میں تبدیل فرما دے گا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ۔ (حصن حصین)

"اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، میرا باپ تیرا بندہ ہے،

میری ماں تیری بندی ہے، میری چوٹی تیرے ہی قبضے میں ہے (یعنی میں ہمہ تن تیرے بس میں رہوں) تیرا ہی حکم میرے معاملہ میں نافذ ہے، میرے بارے میں تیرا حکم سراسر انصاف ہے، میں تیرے اس نام کا واسطہ دے کر جس سے تو نے اپنی ذات کو موسوم کیا، یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا، یا اپنے پاس خزانۂ غیب ہی میں اس کو مستور رہنے دیا، تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ قرآنِ عظیم کو میرے دل کی بہار، میری آنکھوں کا نور، میرے غم کا علاج اور میری تشویش کا مداوا بنا دے۔"

مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر

حضرت ابو ہریرہ رضہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس نے بھی کسی کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھ کر یہ دُعا مانگی (انشاء اللہ) وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔ (ترمذی)

شکر و تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے مجھے اس دُکھ سے بچائے رکھا جس میں تم مبتلا ہو، اور اپنی خلقت میں سے بہت سوں پر مجھے فضیلت بخشی۔

زیارتِ قبور کی دُعا

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضہ نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، بیقرار ہو کر تلاش میں نکلیں تو دیکھا کہ آپ

مسلمانوں کے عام قبرستان جنت البقیع میں داخل ہوئے اور آپ نے یہ دُعا پڑھی۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَّ اِنَّا بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ۔ (سنن ابن ماجہ)

سلام و رحمت ہو تم پر اے اس گھر کے رہنے والے مومنو! تم ہم سے پہلے جا چکے ہم تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں اے اللہ! ان کے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر اور ان کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈال۔

ادائے قرض کی دُعا

حضرت ابو وائل کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضؓ کے پاس ایک غلام آیا اور بولا میں نے اپنے آقا سے مکاتبت کا معاملہ کرلیا ہے مگر معاوضہ نہیں دے پا رہا ہوں، میری مدد فرمایئے! علی مرتضیٰ رضؓ نے فرمایا میں تمہیں وہ دعا کیوں نہ بتا دوں جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائی ہے اگر تم پر اُحد پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو گا تو خدا اُسے ادا کرنے کا ضرور انتظام فرما دے گا۔

غلام نے کہا ضرور سکھایئے اور آپؓ نے اس کو یہ دعا سکھائی۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ (ترمذی، مستدرک حاکم)

اے خدا! مجھے حلال روزی عطا فرما، حرام سے مجھے بچا، اور اپنے فضل و کرم سے تو مجھے اپنے علاوہ ہر ایک سے بے نیاز کر دے۔

نیا لباس پہننے کی دُعا

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا لباس پہنتے تو اس لباس کا نام لے کر یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ، اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ اَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَہٗ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

اے اللہ تیرا ہی شکر ہے تو نے مجھے یہ نیا لباس پہنایا میں تجھ سے اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی بُرائی کی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

کھانے کے بعد کی دُعا

ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے "خدا کے رسولؐ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (ابوداؤد)

شکر و تعریف ہے اس خدا کی جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔

نیا پھل کھانے کے بعد

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جب موسم کا نیا پھل آتا اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپؐ یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا

وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا

اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے شہروں میں برکت عطا فرما ہمارے ناپ تول کے پیمانوں میں برکت عطا فرما۔

اس کے بعد حضورؐ وہ پھل اس بچے کو عنایت فرماتے جو عمر میں سب سے چھوٹا ہوتا۔ (مسلم)

جامع دعائیں

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شداد رضؓ سے کہا، شداد! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے چاندی کے ڈھیر جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں تو تم ان کلمات کا ذخیرہ کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ (نسائی، ترمذی، حاکم، ترغیب وترہیب)

اے اللہ! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی کا طالب ہوں، راست بازی اور راست روی میں بلند ہمت اور پختہ عزم کا خواہاں ہوں، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنے شکر اور حسن عبادت کی توفیق عطا فرما، اور تجھ سے ایسا دل مانگتا ہوں جو گناہوں کی آلائش سے پاک ہو اور ایسی زبان جو سچی ہو۔ اور ہر اس بھلائی کا طالب ہوں جس کو

تو جانتا ہے اور ہر اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے۔ اور تجھ سے معافی کا خواستگار ہوں اپنے ہر گناہ کی تو ہر چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔

زید بن ارقم کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَنَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا۔ (مسلم، نسائی، احمد)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جس میں صبر نہ ہو اور اس علم سے جو نفع نہ پہنچائے اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے صبح و شام یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور کبھی ترک نہ فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَّمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ۔ (ترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا طالب ہوں، خدایا! میں تجھ سے عفو و درگزر اور سلامتی و عافیت چاہتا ہوں، اپنے دین اور دنیا کے معاملات میں، اپنے اہل و عیال میں، اور اپنے مال و دولت میں، خدایا! تو میری ستر پوشی فرما، اور میری بے چینیوں کو امن و چین سے بدل

دے، اے اللہ! آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر سے میری حفاظت فرما، اور میں تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں ناگہاں اپنے نیچے کی طرف سے ہلاک کیا جاؤں (یعنی خدا مجھے زمین میں دھنسنے کے عذاب سے بچائے رکھے۔

خواب میں زیارتِ رسولؐ کی دُعا

ہندوستان کے عالمِ باعمل حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے ایک بار مشہور صاحبِ دل بزرگ حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مراد آبادی سے پوچھا کوئی خاص درود شریف بتائیے جس کے وِرد سے زیارتِ رسولؐ نصیب ہو، فرمایا کوئی خاص درود تو نہیں ہے، بس اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر کچھ سوچنے کے بعد فرمایا۔

"البتہ حضرت سید حسن صاحبؒ کو اس درود کا عمل کارگر ہوا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

اے اللہ رحمت نازل فرما محمدؐ پر اور اُن کی آل پر ان تمام چیزوں کی تعداد کے بقدر جو تیرے علم میں ہیں۔

باب دوم

داعیانہ تڑپ

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا

شاید آپؐ تو ——— ان لوگوں کے پیچھے

رنج وغم میں

اپنے کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے ——— اگر

یہ لوگ اس کلامِ ہدایت پر ایمان نہ لائیں

(الکہف)

سکون انگیز اضطراب

داعی تمثیل کے آئینے میں

کسی دو منزلہ عمارت پر ایک ننھا پیارا بچہ، چھت کے کنارے بالکل کنارے بیٹھا ہے اور برابر آگے کو کھسک رہا ہے، نادان بچہ بالکل نہیں جانتا کہ وہ اپنی خوفناک موت اور عبرتناک تباہی سے قریب ہو رہا ہے۔ چھت سے گرتے ہی اس کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی اور اس کے جسم و جان کا تعلق انتہائی لرزہ خیز طریقے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا —— یہ منظر دیکھتے ہی آپ بے چینی اور اضطراب کے عالم میں چیخنے لگتے ہیں اور حیرت انگیز بے تابی کے ساتھ اس کو بچانے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ کوئی ایک انسان بھی اس کی سسکتی لاش، پھٹے سر اور چور چور ہڈیوں کا لرزہ خیز منظر دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ کون ہوگا جو اس وقت اپنی جان پر کھیل کر اس بچے کو اس خوفناک انجام سے بچانے کے لیے بے اختیار دوڑ نہ پڑے گا!

اور سوچئے!

دہاڑتی، چنگھاڑتی اور دھوئیں کے بادل اڑاتی دیو قامت ریل پوری قوت کے ساتھ دوڑتی، بڑھتی چلی آرہی ہے، اس کے پیہم دھماکوں سے زمین کا سینہ لرز رہا ہے، دل دہل رہے ہیں اور وہ ہیبت ناک

پہنچ اور بے پناہ گڑگڑاہٹ کے ساتھ قریب سے قریب تر آرہی ہے ——— آپ نظامِ وقت کی طرف سے اس خدمت پر بالغرض مامور ہیں کہ لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کریں اور بھرپور کوشش کرتے رہیں کہ انسانی آبادی میں کوئی ناخوشگوار حادثہ نہ ہونے پائے ——— آپ کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ نادان بچے گاڑی کی اسی پٹری کو پار کرنے کے لیے لاپرواہی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ جس پر سے گزرنے کے لیے گاڑی بے پناہ شور کے ساتھ بڑھی چلی آرہی ہے۔ بچے بھی پٹری کے قریب پہنچ چکے ہیں اور گاڑی آیا ہی چاہتی ہے، ——— اور چند ہی لمحوں بعد خاک و خون میں لتھڑے ہوئے انسانی گوشت اور ہڈیوں کے ٹکڑے چاروں طرف بکھرے ہوئے المناک منظر پیش کر رہے ہوں گے ——— یہ منظر بجلی کی لہر کی طرح آپ کی نگاہوں کے سامنے دوڑ تا ہے اور آپ پوری قوت سے چیختے ہوئے اور جسم کی پوری طاقت سمیٹتے ہوئے انتہائی بے تابی کے ساتھ ان نادان بچوں کو بچانے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان بے سمجھ بچوں کو کھڑے پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے ہیں۔

ان دو تمثیلوں کے آئینے میں داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی داعیانہ تڑپ، انسانی درد و سوز جذبات اور اضطراب انگیز احساسات کو دیکھئے اور نظر و فکر کو ذرا وسعت دے کر تصور کی آنکھوں سے داعیِ اسلام کی بے قراری کا مشاہدہ کیجئے۔

داعیِ اسلام کا اضطراب

جہنم کے سیاہ گہرے شعلے دہاڑتے چنگھاڑتے لپک رہے ہیں اور اور انسانیت کے ان نادان افراد کو بھسم کرنے کے لیے پیہم بڑھ رہے

ہیں جو خدا کی حدود کو توڑ کر دین و اخلاق کی انتہائی بلندیوں سے کفر و شرک، معصیت و سرکشی، اور بدعت و ضلالت کے گہرے گڑھوں میں گر رہے ہیں، اور برابر گرتے نظر آرہے ہیں، بپھرے ہوئے شعلے ہولناک آوازوں کے ساتھ اُن کو اپنی گرفت میں لے لینا چاہتے ہیں اور یہ نادان ان کی گرفت سے بچنے اور بھاگنے کے بجائے اُن سے اور قریب ہو رہے ہیں۔ اور اپنی حماقت سے ان میں گر پڑ رہے ہیں۔

نبیؐ اپنے چاروں طرف یہ درد انگیز منظر دیکھ کر تڑپ اُٹھتا ہے انسانی درد سے بے قرار ہو جاتا ہے، کفر و شرک اور معصیت و ضلالت کے تباہ کن انجام کا تصور کر کے کانپ اُٹھتا ہے اور رسالت کی گراں ترین ذمہ داری کا احساس کر کے لرزتا ہے اور پھر قوم کی سرکشی، بدزبانی اور طنز و تشنیع سے پریشان ہو کر فکر و غم میں گھلتا ہے کہ خدا کا حکم نازل ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

اے چادر میں لپٹنے والے اُٹھ (قوم کو) انجام بد سے ڈرا، اپنے رب کی تکبیر کہہ، اور اپنی ذات کو خوب پاک کر اور شرک کی گندگی سے دور رہ۔

مُدَّثِّر کا خطاب اور اس کا مفہوم

مُدَّثِّر یعنی چادر میں لپٹنے والا۔ یہ خطاب دراصل داعیٔ اسلام کے فکر و اضطراب اور سوز و غم کی داعیانہ کیفیت کی تصویر کشی ہے۔ جب

انسان کسی گہرے غم میں انتہائی پریشان ہو جاتا ہے تو وہ سب سے الگ تھلگ چادر تان کر پڑا رہتا ہے اور اندر ہی اندر اپنے غم کا مداوا سوچتا رہتا ہے، یہاں مدثر کہہ کر اسی فکر و اضطراب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ـــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب سے نوازنے کے دو پہلو ہیں۔

ایک یہ کہ خدا نے آپ کے فکر و غم کو سراہتے ہوئے اس محبت آمیز خطاب میں اپنی رحمت و شفقت کا اظہار فرمایا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور آپ کا جسم گرد آلود ہو رہا ہے تو آپ نے قُمْ یَا اَبَا تُرَاب کہہ کر اپنی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا تھا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس کیفیت کو سامنے لا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ داعئ حق کا بنیادی وصف یہی فکر و اضطراب ہے۔ اس داعیانہ تڑپ کے بغیر نہ حق کے لیے دل کھل سکتے ہیں اور نہ اسلام کے ہمہ گیر تہذیبی انقلاب کو قبول کرنے کے لیے دنیا تیار ہو سکتی ہے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ قوم کی اس گمراہی پر برابر کڑھتے اور پہروں اسی غم میں ڈوبے رہتے کہ کس طرح ان نادانوں کو اس ذلت اور تباہی سے نکالیں۔ آپ کی کیفیت دیکھ کر خدا کی رحمت جوش میں آئی، اور نہایت پیار بھرے انداز میں کہا، اے چادر میں لپٹ کر گھلنے والے! غم سے اپنی جان ہلکان نہ کرو، بلکہ اٹھو اور یقین کی پوری قوت کے ساتھ اپنی قوم کو بتاؤ کہ اس شرک و معصیت کا انجام انتہائی تباہ کن ہے، اس سے بچو۔ خدا ہی سب سے بڑا ہے، وہی اکیلا معبود ہے۔ اس کی توحید کو اپناؤ اور اس کی تکبیر کہو جس کی مکمل ترین عملی شکل نماز ہے۔ اعتقاد کے پہلو سے توحید پورے دین کا سرچشمہ ہے اور عمل کے پہلو سے نماز

سارے دین کی بنیاد ہے خدا کی تکبیر کا ایجابی نتیجہ یہ ہے یا ہونا چاہیے کہ "وثیابک فطہر" اپنی شخصیت کو پاک صاف رکھو۔ ثیاب سے مراد صرف لباس ہی نہیں ہے بلکہ ثیاب سے مراد ذات اور شخصیت ہے۔ طاہر الثوب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا نفس اخلاق رذیلہ سے پاک اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو، جو سچائی، خلوص اور وفا کا پیکر ہو" وربک فکبر" کا مثبت نتیجہ ہے" والرجز فاھجر"۔—— گندگی شرک و معصیت سے دور رہو۔ ہر وہ گندگی جو خدا کے غضب اور عذاب کی موجب ہو وہ رجز ہے اور خدا کی توحید پر ایمان لانے والے کی زندگی اس رجز سے پاک ہونی چاہیے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کو سن کر اپنے منصب کی عظمت کا احساس کرتے ہیں، حالات پر پیغمبرانہ جرأت کی نگاہ ڈالتے ہیں اور ماحول کی ناسازگاری اور قوم کے بے جا خطابات ساحر، کاہن، شاعر اور مجنون وغیرہ سے بے پروا، ہر خوف سے بے نیاز اور ہر ایذا کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو کر یقین کی پوری قوت کے ساتھ قوم کو خبردار کرتے ہیں تا کہ وہ کفر و معصیت کی اس دلدل سے نکل آئے۔ میں خدا کے دیئے ہوئے علم کی بنیاد پر تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اس شرک و بغاوت کا بدترین انجام وہ جہنم ہے جس کی بھڑکتی آگ کبھی ٹھنڈی نہ ہوگی۔

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا۔

جب وہ کچھ دھیمی ہوگی ہم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔

(بنی اسرائیل)

اور پھر داعی حق جب یہ سوچتے ہیں کہ شرک و معصیت کی طرف لپکنے والے اور جہنم کی لپیٹ میں آنے والے یہ نادان انہی جیسے انسان

ہیں، انہی کی طرح گوشت پوست سے بنے ہیں اور انہی کی طرح تکلیف
و راحت کا احساس رکھتے ہیں تو وہ ان کی محبت میں تڑپ اٹھتے ہیں،
دردمندی کے جذبات سے بے چین ہو کر ان کو ہولناک انجام سے
بچانے کے لیے اپنا سکون و آرام قربان کر دیتے ہیں انتھک محنت،
مسلسل جدوجہد، مشفقانہ جذبات، سکون انگیز اضطراب اور پرسوز
دعاؤں کے ساتھ ان کو جہنم سے گھسیٹنے اور خدا کے قدموں میں لا
ڈالنے کے لیے سرگرم ہو جاتے ہیں اور اسی شوق و سوز اور فکر و غم
میں ڈوب کر خدا سے دعائیں کرتے ہیں کہ خدایا اپنے ان بندوں کا
تو ہی ہاتھ پکڑ۔ اپنے غضب سے ان کو محفوظ رکھ اور ہدایت کے لیے
ان کے سینوں کو کھول دے۔

اور جب ان کا یقین انہیں جھنجوڑتا ہے کہ خدا کی نافرمانی، شرک و
الحاد، گمراہی و سرکشی اور بغاوت و خدا بیزاری کا انجام بڑا ہی جہنم ہے
تو ان کا دماغ لرزنے لگتا ہے —— اور جب تصور ان کے سامنے
جہنم کے بھیانک مناظر پیش کرتا ہے تو ان کی نبضیں چھوٹنے لگتی ہیں۔
وہ ہرگز تیار نہیں کہ انسانوں کی دلدوز چیخیں سنیں، ان کے جھلسے ہوئے
بے تاب چہرے دیکھیں اور اپنے ہی جیسے انسانوں کو جہنم کے سیاہ
ترین شعلوں میں تڑپتا کراہتا اور موت کی نہ پوری ہونے والی آرزوئیں
کرتا دیکھیں۔

نبی نے اپنی پرسوز پیغمبرانہ کوششوں اور گمراہ بندوں کی احمقانہ حرکتوں
کو ایک بلیغ تمثیل میں یوں بیان فرمایا ہے۔

مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ
مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي
تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَ

فَيَتَقَحَّمْنَ فِيهَا فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهَا۔ (متفق علیہ)

میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑوں پتنگوں کو آگ سے روک رہا ہے لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوششوں کو ناکام بنائے دے رہے ہیں اور آگ میں گرے پڑ رہے ہیں، اسی طرح میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑ رہے ہو۔

داعیانہ اضطراب کے محرکات

اوپر کی تمثیل اور مدثر کے خطاب سے نبیؐ کے جس داعیانہ اضطراب، بے مثال انسانی محبت، بے پایاں شوقِ ہدایت اور غیر معمولی سوز و فکر کی تصویر کشی ہو رہی ہے، اس کے حقیقی محرکات چار ہیں، ان حقیقی محرکات کی حیثیت وہی ہے جو جسمِ انسانی میں روح کی ہے اور داعیانہ کردار کی ساری دلکشی اور رعنائی انہیں کے دم سے ہے۔

(۱) فریضۂ رسالت کا شدید ترین احساس

(۲) رضائے الٰہی کا بے پایاں شوق

(۳) انسانیت کا سچا درد

(۴) فلاحِ آخرت کی غیر معمولی فکر

ان چار محرکات پر تفصیلی گفتگو کرنے سے پہلے ایک بار ذرا تصور کی آنکھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیجئے۔ آپ کا بے مثال شوق و ولولہ، بے پایاں سوز و تڑپ دیکھئے اور ایمانی جذبات کو تازہ کر کے

یہ فیصلہ کیجیے۔ شعوری فیصلہ۔ کہ آپ سے تعلق جوڑنے والے ہر مومن داعی کو یہی کردار اپنانا ہے۔ اس انقلابی فیصلہ کے بغیر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ اس فیصلے کے بغیر صحیح معنوں میں کوئی سیرت پاک کے مطالعہ کا حق دار ہو سکتا ہے۔

چشمِ تصور سے نبیؐ کا دیدار

خیال کی ساری قوتوں کو سمیٹ کر چشمِ تصور سے ذرا اس "سراپا اضطراب ہستی" کا دیدار قرآن کے آئینے میں کیجیے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ ۱۲۸)

"لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہارا گمراہی میں پڑنا ان پر انتہائی شاق ہے۔ تمہاری ہدایت کے لیے وہ انتہائی حریص ہیں اور مومنوں کے لیے انتہائی شفیق و مہربان ہیں۔"

کفر و شرک کے تاریک ترین ماحول میں ایک حساس انسان آنکھ کھولتا ہے۔ وہ اپنے چاروں طرف ہزارہا خداؤں کی پرستش ہوتے دیکھتا ہے بدکرداری اور بد اخلاقی کی حیا سوز حرکتیں دیکھتا ہے، ظلم و ستم کے ختم نہ ہونے والے انسانیت سوز مناظر دیکھتا ہے تو وہ کڑھتا ہے۔ آدمؑ کی اولاد کا یہ حال اس سے دیکھا نہیں جاتا وہ ان کی ہدایت کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ شوق ہدایت میں گھلتا ہے اور اسی فکر و غم میں وہ اپنے خدا کے حضور گڑگڑاتا ہے۔

پروردگار! مجھ پر صبر انڈیل دے اور میرے قدموں کو جما دے

اور ان کافروں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ ۲۵۰)

اے اللہ تو ہمارے لیے راہ صبر کشادہ کر دے۔ ہمارے قدموں کو استقامت بخش اور ہمیں کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما۔

اور خدا صبر و ثبات کی بے پناہ قوت دے کر وعدہ کرتا ہے، ہم تمہارے پشت پناہ ہیں۔ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو ہم ایک لمحے کے لیے تم سے غافل نہیں ہیں۔ ہم نہ تمہیں ضائع ہونے دیں گے اور نہ تمہارا اجر ضائع ہونے دیں گے تم کھلم کھلا ایک خدا کی دعوت دو، شرک کے ہولناک انجام اور جہنم کی عبرتناک تباہی سے اپنی قوم کو بچانے کے لیے جسم و جان کی ساری قوتیں لگا دو، اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ شوق اور درد سے سرشار ایک بے قرار انسان ہے جسے شب و روز ایک ہی دھن ہے ایک ہی غم ہے اور ایک ہی لگن ہے کہ خدا سے بچھڑے ہوئے خدا کے بندے خدا سے مل جائیں۔ اسی غم میں اس کی راتیں کٹتی ہیں، اسی شوق اور دوڑ دھوپ میں اس کے دن بیتتے ہیں۔ گمراہوں کو اپنے خدا سے بیزار اور غافل دیکھ کر اس کا دل روتا ہے اس کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور وہ ایک ایک کے دل میں خدا کا یہ پیغام بٹھانے اور بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے بے چین ہے کہ خدا کے بندو تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اسی نے تمہاری ماں کے پیٹ میں —— تین اندھیروں کے اندر تمہیں پیدا کیا، حسین و جمیل جسم دیا، بے پایاں صلاحیتیں دیں اور اپنی تخلیق کا شاہکار بنا کر تمہیں دنیا میں بھیجا۔ وہی اب بھی تمہاری پرورش کر رہا ہے۔ زمین سے لہلہاتی کھیتیاں وہی اگاتا ہے، آسمان

سے پانی وہی برساتا ہے، سورج اور چاند کو اسی نے تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے۔ شب و روز کی یہ گردش اسی کے حکم سے ہے۔ اس نے پوری کائنات کو اپنی قدرت سے تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے تو تمہارے پیدا کرنے میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں۔ نہ تمہاری پرورش میں کوئی اس کا معین و مددگار ہے اور نہ اس کائنات کی حکمرانی میں کوئی اس کا شریک کار ہے۔ وہ خدا ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمہاری بندگی کا تنہا وہی مستحق ہے۔ اسی کی عبادت کرو، اسی کی اطاعت کرو، اسی سے دعائیں مانگو، اسی کے سامنے عاجزی کرو، اسی سے مدد چاہو، اسی سے محبت کرو، اسی پر بھروسہ کرو اور اسی سے خوشنودی حاصل کرو۔

آپ کی یہ دعوت شب و روز فضاؤں میں گونجتی ہے — لیکن تھوڑے سے لوگ اس دعوت کو قبول کر کے آپ کے ساتھ اسی کام میں لگ جاتے ہیں باقی مکے کے سارے سنگ دل آپ کے جانی دشمن بن کر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ستانے لگتے ہیں۔ کبھی نماز پڑھتے ہیں آپ کی گردن پر اونٹ کی غلیظ اوجھ لا کر ڈالتے ہیں، کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں، کبھی آپ کو صابی، مجنوں، شاعر اور کاہن کہہ کر دل دکھاتے ہیں، کبھی آپ کے ساتھیوں پر دست درازی کرتے ہیں، کبھی گرم ریت پر لٹا کر اوپر سے وزنی پتھر رکھ کر ایذا دیتے ہیں، کبھی دہکتے انگاروں پر لٹاتے ہیں اور کبھی زنجیروں اور رسیوں سے باندھ کر مکے کی گلیوں میں گھسیٹتے ہیں، کبھی طائف کے بازاروں میں پتھر برساتے ہیں اور ان سارے حالات میں نبی کے شوقِ ہدایت کا حال یہ ہے کہ آپ گڑگڑا کر ان ظالموں کے لیے دعائیں مانگتے ہیں، شب و روز ان کے غم میں جان گھلاتے ہیں۔

اور ایک ہی دُھن ہے کہ کسی طرح یہ ایمان کی دولت سے محروم

دولت ایمان سے مالا مال ہو جائیں۔ خدا کو آپ کی اس بیقراری اور سوز و غم پر پیار آتا ہے اور کہتا ہے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف ۶)

شاید اس رنج و غم میں آپ اپنے کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلام ہدایت پر ایمان نہ لائیں۔

یہ مختصر سی آیت ایک صاف آئینہ ہے جو رسولؐ کی قلبی تصویر پیش کر رہا ہے اور ہم چشم تصور سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک بے قرار داعی ہے جس کا شوق، ولولہ، تڑپ، سوز، درد، لگن، اور حوصلہ کسی طرح اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا، اسے اپنے مقصد سے سچا عشق ہے اور وہ ہر وقت اسی دھن میں ہے کہ اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس سے ملائے اور وہ اسی شوقِ ہدایت میں گھل کر اپنی جان ہلاک کیے دے رہا ہے کہ خدا کے بندے خدا کے سچے کلام پر ایمان لے آئیں۔

یہ حسین اور دلکش زندگی جس کو چشم تصور سے دیکھ دیکھ کر آپ روحانی سرور و سکون اور ایمان کی تازگی محسوس کر رہے ہیں، یہ حیات رسولؐ کے ایک اہم پہلو "داعیانہ کردار" کی ایک دلآویز جھلک ہے۔

داعیانہ اضطراب کے محرکات پر تفصیلی نظر

آئیے اب ان عوامل اور محرکات پر ذرا تفصیلی نظر ڈالیں جو اس حسین زندگی کو وجود میں لانے کی بنیاد بنتے ہیں اور اس کے حقیقی جوہر ہیں۔ یہ محرکات جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ بنیادی طور پر چار ہیں۔

۱۔ فریضۂ رسالت کا شدید ترین احساس

اوّلین محرک جو ہر وقت داعی کو تبلیغ حق کے لیے تڑپاتا رہتا ہے

وہ اپنے فریضہ کا شدید ترین احساس ہے۔ آپ کے غیر معمولی اضطراب و فکر کو دیکھ کر خدا بار بار آپ کو تسلی دیتا ہے۔ اے رسولؐ! آپ پر یہ ذمہ داری ہرگز نہیں کہ آپ کسی کے دل میں ہدایت ڈال دیں آپ پر جو کچھ ذمہ داری ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ حق کی دعوت پہنچا دیں۔

اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ۔

(اے نبیؐ) آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچا دینا ہے۔

اور آپ نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ خود ان سے سمجھ لے گا کہ یہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں اور وہ ہر ایک کے عمل کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دینے والا ہے۔ آپ کا فریضہ تو صرف اس قدر ہے کہ آپ اُن کو انجام بد سے خبردار کر دیں اور نیک انجام کی خوش خبری سُنا دیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔

(الفرقان ۵۶)

آپ کو ہم نے محض اس لیے بھیجا ہے کہ آپ انجام نیک کی خوش خبری سنائیں اور انجام بد سے ڈرائیں۔

لیکن ان تمام تسلیوں کے باوجود آپ کا حال یہ ہے کہ آپ خدا سے بھٹکے ہوئے نادان انسانوں کی ہدایت کے لیے گھلے جاتے ہیں اور آپ کے فکر و اضطراب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ گمراہی سے بچانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا شوق، تڑپ اور ولولہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق جب آپ اپنے چچا ابو طالب کو بستر مرگ پر دیکھتے ہیں تو احساس فرض اور شوق ہدایت سے بے تاب ہو کر سوز میں ڈوبی ہوئی دلگیر آواز میں دھیرے سے کہتے ہیں "چچا جان!

آپ اب بھی کلمۂ توحید پڑھ لیجئے۔ میرے کان ہی میں آہستہ سے کہہ دیجئے۔ اگر آپ اس وقت بھی کلمۂ توحید کا اقرار کرلیں تو خدا کے حضور میں بھری عدالت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔"

آخری حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں اونٹنی پر سوار تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے عظیم اجتماع کو یقین و اذعان اور جوش و جذبے کی پوری قوت سے خدا کے احکام بتاتے اور ہدایتیں دیتے ہیں لیکن ذمہ داری کے احساس کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے پوچھتے ہیں "کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا یا نہیں؟) لوگو! ذرا مجھے جواب دو اس وقت تم کیا کہو گے؟" مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا "خدا کے رسولؐ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے کھرے کھوٹے کی خوب خوب نصیحت فرمادی۔" مجمع کی اس اجتماعی شہادت اور فضا کو لرزا دینے والی آواز سے بھی آپؐ کو تسکین نہ ہوئی اور آپؐ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکائی اور فرمایا "اے خدا! سن تیرے بندے کیا کہتے ہیں؟" "خدایا تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا۔"

پھر فرمایا "خدایا! تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا" پھر تیسری بار فرمایا "خدا! تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا۔ خدایا یہ صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے ٹھیک ٹھیک تیرا دین ان کو پہنچا دیا۔"

اور ایک بار آپؐ کو احساسِ فرض نے پھر جھنجھوڑا کہ نہ معلوم اُمت کے کتنے افراد اب بھی موجود نہ ہوں اور ان تک آپؐ کی بات نہ پہنچے تو آپؐ نے حاضرین کو وصیت فرمائی "جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں، میری باتیں پہنچا دیں۔

اور یہ آپؐ کی اسی شدتِ احساس کا طفیل ہے کہ چودہ سو سال سے برابر یہ پیغام ان کروڑوں انسانوں کو برابر پہنچ رہا ہے جو اُس دن عرفات میں موجود نہ تھے۔

ذمہ داری کے شدید ترین احساس کی جو مثال محمد عربیؐ نے پیش کی اس سے پہلے نہ آسمان کی آنکھ نے کبھی دیکھی اور نہ اولادِ آدم نے کبھی سنی اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔

نزع کا عالم ہے، درد کی تکلیف سے مضطرب ہیں، کبھی چادر منہ پر ڈالتے ہیں —— اور کبھی اُلٹ دیتے ہیں اسی غیر معمولی اضطراب میں حضرت عائشہؓ نے سنا، زبانِ مبارک پر یہ الفاظ ہیں۔

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"

حضرت عائشہؓ کے پاس چند اشرفیاں رکھوائی تھیں، اسی بے چینی کی حالت میں ایک بار فرمایا: "عائشہؓ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں ؟ کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ عائشہؓ! وہ اشرفیاں خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔"

رضائے الٰہی کا بے پایاں شوق

داعیانہ تڑپ کا دوسرا زبردست محرک رضائے الٰہی کا بے پایاں شوق ہے۔ یہ داعیانہ کوششوں کا اصل سرچشمہ ہے اور ایسا زندہ محرک ہے جسے کبھی فنا نہیں، عمل کے ہزاروں محرک ہو سکتے ہیں لیکن ہر محرک مضمحل ہو سکتا ہے، بے اثر ہو سکتا ہے بلکہ فنا ہو سکتا ہے لیکن خدا کی خوشنودی کا شوق صرف یہی ایک ایسا محرک ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے،

نبیؐ کی وفات کے وقت جب صحابہ کرامؓ دل شکستہ ہونے لگے

اور غم کے ہجوم میں مختلف قسم کی کیفیتیں ان پر طاری ہونے لگیں تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ایک حقیقت افروز تاریخی خطبہ دیا جو رہتی دنیا تک اسلامی قافلوں کے لیے بانگِ درا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔

اچھی طرح سن لو! جو کوئی محمدؐ کی بندگی کر رہا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ اس دنیا سے جا چکے اور جو کوئی خدا کی بندگی کر رہا تھا تو خدا زندہ ہے اور اس کو کبھی موت نہ آئے گی۔

ان لفظوں میں آپؓ نے بڑی زبردست حقیقت بیان فرمادی ہے، اسلام نے کسی فانی چیز کو اپنا نصب العین نہیں بنایا ہے، اسلام کا نصب العین خدائے واحد کی خوشنودی ہے یہ وہ ابدی نصب العین ہے جسے کبھی فنا نہیں۔ خدا کو نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، نہ اس پر کبھی غفلت طاری ہوتی ہے اور نہ بے ہوشی، وہ کسی وقت بھی اپنے بندوں سے غافل نہیں ہوتا۔ ایک ایسے زندۂ جاوید کی رضا کو اپنا نصب العین بنا لینے کے بعد آدمی کا جوشِ عمل اور ولولۂ کار اسی وقت سرد پڑسکتا ہے، جب وہ کسی طرح خود بھی اس نصب العین سے غافل ہو جائے یا خدا کے یقین سے محروم ہو جائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ، یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ النَّہَارِ وَعَمَلُ النَّہَارِ قَبْلَ اللَّیْلِ۔

اللہ سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اس کی شان ہے۔ وہ اعمال کی ترازو کو اونچا نیچا کرتا رہتا ہے۔ رات کے اعمال دن

نکلنے سے پہلے پہلے اس کی جناب میں پیش ہو جاتے ہیں۔ اور اسی حقیقت کو قرآن پاک نے دو لفظوں میں اس طرح واضح کیا ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرہ) اسے نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔

طائف والوں کو پیغام حق سنانے کے بعد جب آپؐ لہولہان اور غم سے نڈھال واپس ہوئے تو راہ میں آپؐ نے خدا سے دعا کی، اس دعا کو پڑھیے، اس کے ایک ایک لفظ سے یہ حقیقت ٹپکی پڑتی ہے کہ رسولِ خدا کے دل میں ایک ہی شوق سمایا ہوا ہے کہ مجھ سے میرا پروردگار خوش ہو جائے اس کی رضا حاصل ہو تو سب کچھ گوارا ہے اگر پروردگار راضی ہے تو نہ کسی دکھ اور تکلیف کی شکایت ہے اور نہ کسی کے ظلم اور زیادتی کی پرواہ ہے۔ آپؐ اپنے خدا سے فریاد کرتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَّتَجَهَّمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَيَّ غَضَبُكَ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ يَّنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔ (طبری ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲)

اے اللہ میں تجھی سے اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں اے

ارحم الراحمین! تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے، اور تو ہی میرا بھی رب ہے ——— تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو میرے ساتھ درشتی اور سختی سے پیش آئے۔ یا کسی دشمن کے حوالے، جو مجھ پر قابو پالے۔ اگر تو مجھ سے خفا نہیں ہے، تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں ہے، مگر پھر بھی اگر تیری طرف سے مجھے عافیت مل جائے تو میرے لیے اس میں زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ذات کے نور کی جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے معاملات سدھر جاتے ہیں، اس سے مجھے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو، یا میں تیرے عتاب کا مستحق بنوں۔ میں تیری ناراضی دور کرنے میں لگا رہوں یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ خدایا! تیرے سوا کسی کے پاس کوئی طاقت و قوت نہیں۔

انسانیت کا سچا درد

خدا کی خوشنودی کو نصب العین قرار دینے والا کبھی خدا کے بندوں سے بے تعلق نہیں ہو سکتا۔ رضائے الٰہی کی طلب اور بندگانِ خدا سے محبت یہ ایک ہی کردار کے دو پہلو ہیں، بندگانِ خدا سے بے پایاں محبت اور انسانیت کے سچے درد کا جو بے مثال اسوہ نبیؐ نے چھوڑا وہ رہتی زندگی تک داعیانِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ گمراہ بندوں کے غم میں گھلنا ان کی گمراہیوں پر کڑھنا اور ان کو خدا کے غضب اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے تڑپنا اور ان کی ہدایت کے لیے غیر معمولی

حریص ہونا داعی اعظم کی داعیانہ زندگی کے وہ جوہر ہیں جن کی ایک رمق بھی اُمت کو مل جائے تو دن کا سکون اور رات کا آرام حرام ہو جائے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے نبیؐ سے پوچھا۔ یارسول اللہؐ آپ کی زندگی میں اُحد سے بھی زیادہ سخت کوئی دن گزرا ہے؟ فرمایا "عائشہ! تمہاری قوم قریش سے مجھے بہت بہت تکلیفیں پہنچیں لیکن عقبہ کا دن میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن تھا۔"

دعوتِ اسلامی کے ساتھ مکہ والوں کا پیہم ظالمانہ سلوک اور مسلسل انکار کا رویہ دیکھ کر جب آپؐ دل شکستہ اور مایوس ہو گئے تو آپؐ طائف والوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے تشریف لے گئے شاید کہ وہاں حق کا بیج جڑ پکڑے اور طائف والوں کے دل دعوتِ حق کو قبول کرنے کے لیے جھکیں۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے حق کی دعوت پیش کی مگر ان بدنصیبوں نے اس کی قدر نہ کی اور وہاں کے سردار عبد یالیل نے شہدوں اور اوباش لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان سنگ دلوں نے پیغام رحمت کے جواب میں رحمتِ عالمؐ پر پتھر برسائے۔ آپؐ لہولہان ہو گئے اور بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو آپؐ اٹھے اور غم سے نڈھال اسی پریشانی میں وہاں سے روانہ ہوئے جب قرن الثعالب میں پہنچے تو کچھ غم ہلکا ہوا۔ آپؐ کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھی تو دیکھا کہ حضرت جبرائیلؑ نے آپؐ کو پکارا۔ یارسول اللہؐ! آپؐ کی قوم نے رحمت کے پیغام کا جو جواب دیا اور جو سلوک آپؐ کے ساتھ کیا خدا نے سب سنا اور دیکھا اور خدا نے ان سنگ دلوں پر غضبناک ہو کر پہاڑوں کا نظم سنبھالنے والا فرشتہ آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپؐ جو چاہیں اس کو حکم دیں" اور پہاڑوں کے فرشتہ نے رسولؐ کو پکارا، سلام کیا اور پھر بولا "اے محمدؐ! ان سنگ دلوں نے پیغام حق کا جو جواب دیا اور جو کچھ آپؐ سے کہا اور جو ظالمانہ برتاؤ آپؐ کے

ساتھ کیا سب خدا نے دیکھا اور سنا۔ میں پہاڑوں کے انتظام پر مامور ہوں۔ آپ فرمائیں تو میں ابوقبیس اور جبلِ احمر کو آپس میں ٹکرا دوں کہ یہ بدبخت ان کے بیچ میں پِس کر اپنے انجام کو پہنچ جائیں۔"

رحمتِ عالم نے یہ سُن کر جواب دیا۔ "نہیں نہیں مجھے اپنی قوم میں پیغامِ حق پہنچانے کا موقع دو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ان ہی کے قلوب ہدایت کے لیے کھول دے۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہدایت قبول کر لیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ سفرِ جہاد پر جا رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس سے ہمارا گزر ہوا۔ رسول اللہ نے ان سے پوچھا۔ تم لوگ کون ہو؟ وہ بولے۔ ہم مسلمان ہیں۔ وہاں ایک عورت کھانا پکا رہی تھی اور ایندھن ڈال ڈال کر آگ بھڑکا رہی تھی جب آگ کی لپٹ تیز ہوتی تو وہ اپنے بچے کو آگ سے بچانے کے لیے دُور ہٹا لیتی۔ پھر وہ آپ کے پاس آئی اور بولی "کیا آپ خدا کے رسول ہیں؟" آپ نے فرمایا "بیشک میں خدا کا رسول ہوں" عورت نے کہا "کیا خدا ارحم الراحمین نہیں ہے؟" آپ نے فرمایا کیوں نہیں وہی سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ پھر بولی "کیا خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنے بچوں پر ہوتی ہے؟" آپ نے جذبے کے ساتھ فرمایا "بے شک خدا اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی کہ ایک ماں اپنے جگر کے ٹکڑوں پر ہو سکتی ہے" یہ سن کر عورت نے کہا "مگر یا رسول اللہ! ماں تو کبھی اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی۔" یہ سنتے ہی رحمتِ عالم نے سر جھکا لیا ـــــ کچھ دیر کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور یقین میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا۔ خدا ہرگز کسی کو عذاب میں نہیں ڈالے گا مگر جو

سرکش اور متکبر بن کر اس کی توحید کا انکار ہی کر دے۔"

مکی زندگی میں آپ کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کو شہر سے نکال دو۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کو قتل کر دو، ان ہی دنوں ایک ہوشربا قحط نے مکہ کو آگھیرا — ایسا قحط کہ قریش کے لوگ پتے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بچے بھوک سے بلبلاتے اور بڑے ان کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ جاتے۔

آپ نے اپنے جانی دشمنوں کو جن کے پہنچائے ہوئے زخم ابھی بالکل تازہ تھے، اپنی دلی ہمدردی کا پیغام بھیجا، اور ابوسفیان اور صفوان کے پاس پانچ سو دینار بھیج کر یہ کہلوایا کہ یہ دینار قحط کے مارے ہوئے مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

فلاح آخرت کی غیر معمولی فکر

داعیانہ جذبہ میں جان ڈالنے والا اور اس کو ثبات بخشنے والا اہم ترین محرک فلاح آخرت کی غیر معمولی فکر ہے۔ یہی انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہے یہی اسلام کی جان ہے اسی کی خاطر خدا نے کتابیں نازل فرمائیں اور اسی کی خاطر رسول بھیجے۔ اور یہی غیر معمولی فکر نبی کو ہر وقت بے قرار رکھتی تھی۔ یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن اور موت سے زیادہ یقینی ہے۔

آخرت کی فلاح کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی جہنم کے ہولناک عذاب سے نجات پا جائے اور جنت کی بے بہا نعمت و سکون سے سرفراز ہو۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۝ (الانعام ۱۶)

جس کسی سے اس روز عذاب ٹال دیا گیا اس پر خدا کا رحم ہو گیا اور یہ ایک کھلی کامیابی ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ (آل عمران ۱۸۵)

جو کوئی آتشِ دوزخ سے بچا لیا گیا اور بہشت میں داخل کر دیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔

زندگی کی منزل بہرحال آخرت ہے یقین کرنے والوں کے لیے بھی اور یقین نہ کرنے والوں کے لیے بھی اور انسان چاروناچار اس منزل سے قریب تر ہو رہا ہے آخرت میں انسانی زندگی بالیقین دو انجاموں سے دوچار ہوگی، یا دائمی سُکھ ہوگا یا دائمی دُکھ، خدا کی رضا ہوگی یا خدا کا غضب، اس حقیقت پر یقین رکھنے والا اور اس فلاح کی فکر کرنے والا یہ کیسے گوارا کر سکے گا کہ اس جیسے گوشت پوست کے دکھ سکھ کا احساس رکھنے والے انسان اس فلاح سے محروم رہیں اور ہمیشہ کی تباہی مول لیں جب کہ انہی انسانوں میں اس کی عزیز ترین اولاد بھی ہے محبوب ترین بیوی بھی ہے، شفقت کرنے والے ماں باپ بھی ہیں، سہارا دینے والے اہلِ خاندان بھی ہیں شہر اور ملک کے وہ لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ مل کر اس نے زندگی گزاری جن سے اس کا انسانی رشتہ ہے اور جو اسی کی طرح جان رکھتے اور تکلیف و راحت کا احساس کرتے ہیں۔

یہ چار تو ہیں یقینی

(۱) فریضۂ رسالت کا شدید ترین احساس (۲) رضائے الٰہی کا بے پایاں شوق (۳) انسانیت کا سچا درد (۴) فلاحِ آخرت کی غیر معمولی فکر۔

نبیؐ کی داعیانہ زندگی کو انتہائی حسین و دلکش بناتے ہیں اور وہ داعیانہ تڑپ اور اضطراب پیدا کرتے ہیں جس پر سکون و اطمینان کی

ساری متاعِ قربان ہے لیکن نبیؐ کی یہ جوشِ ناآشنا اور جوشِ عمل سے بیتاب زندگی بے ہنگم اور منتشر نہ تھی بلکہ انتہائی مرتب، منظم اور سوچی سمجھی تھی آپؐ محض جوشِ عمل کے پیکر ہی نہ تھے بلکہ انتہائی ہوشمند، حکیم اور مفکر و مدبر بھی تھے۔

نبیؐ کے داعیانہ اوصاف

ان چار بنیادی جوہروں کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داعیانہ کردار ایک طرف غیر معمولی جوش و اضطراب اور سوز و گداز کا آئینہ دار تھا اور دوسری طرف ہوش و حکمت تدبر و تنظیم کے کچھ ایسے نمایاں اوصاف سے بھی آراستہ تھا جو اخلاصِ عمل، حکمتِ تبلیغ، حسنِ تدبیر اور سلیقے کا اعلیٰ نمونہ تھے ان اوصاف کو ہم داعیانہ اوصاف کہتے ہیں۔ یہ اوصاف سات عنوانوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) داعی الی اللہ (۲) کامل نمونہ (۳) حکمت و سلیقہ (۴) اجتماعی جدوجہد (۵) صبر و ثبات (۶) قربانی اور جاں نثاری (۷) استعانت و استغفار

داعی الی اللہ

نبیؐ کے داعیانہ کردار کا اولین امتیاز یہ تھا کہ آپؐ داعی الی اللہ تھے یعنی صرف اللہ کی طرف دعوت دینا ہی آپؐ کا مقصودِ حیات تھا خدا کے سوا کسی اور کی طرف بلانا کبھی کسی مرحلے میں بھی آپؐ کا مقصود نہیں رہا۔ زندگی بھر آپؐ خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی کی طرف بلاتے رہے اور اس کا مخلص بندہ بن کر زندگی گزارنے کی تلقین کرتے رہے،

خدا کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا

وَنَذِيرًا ○ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ (الاحزاب - ۴۵-۴۶)

اے نبیؐ ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر۔

اس آیت میں نبیؐ کا منصب یہی یہ بتایا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس منصب پر خدا کے اذن سے وہ مامور ہوتا ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوڑ دھوپ کا اصل مقصود جو خدا کی رضا کو بنا رکھا ہے اور ہر مقصد سے رُخ پھیر کر صرف خدا ہی کی طرف بندگانِ خدا کو بُلا رہا ہے تو یہ نصب العین اس نے اپنے لیے خود متعین نہیں کر لیا ہے بلکہ خدا نے ہی نبیؐ کو اس منصب پر مامور کیا ہے اور اسی کا یہ حکم ہے کہ نبیؐ خدا کے بندوں کو خدا کی طرف دعوت دے۔

نبیؐ کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو یقین بڑھتا جائے گا کہ خدا کے داعی کو صرف داعی الی اللہ ہی ہونا چاہیے۔ نبیؐ زندگی بھر خدا کے بندوں کو خدا ہی کی طرف بلاتے رہے، وطن، قوم، نسل، زبان یا کوئی فرقہ و جماعت یا کوئی خاندان اور قبیلہ ہرگز نبی کا مقصود نہیں ہوتا، آپؐ نے ان میں سے کسی چیز کی طرف کبھی کسی کو نہیں بلایا آپؐ کبھی کسی مرحلے میں بھی داعی الی القوم داعی الی الوطن یا داعی الی الجماعۃ وغیرہ نہیں رہے نہ کبھی محض دنیوی اقتدار قومی ترقی، ملکی خوشحالی اور مادی برتری آپؐ کا نصب العین رہا ہے، بلاشبہ یہ چیزیں اگر دین کی خاطر ہوں، تو نہ صرف یہ کہ قابلِ نفرت نہیں ہیں بلکہ محمود ہیں اور مومن ان کے لیے بھی جدوجہد کرتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام کا داعی کبھی یہ دعوت لے کر نہیں اُٹھتا کہ آپ دُنیوی ترقیاں حاصل کریں اور محض سیاسی غلبہ حاصل کریں، یہ چیزیں مومن کا نصب العین ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ قریش نے خدا کے داعی

سے درخواست کی کہ آپ ایک خدا کی طرف دعوت دینے کی بات چھوڑ دیں اور آپ چاہیں تو ہم آپ کو اپنی سرداری اور بادشاہت دے دیں، لیکن آپ نے فرمایا مجھے بادشاہت اور سرداری نہیں چاہیے اگر تم میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج بھی لاکر رکھ دو تو میں اس کام سے باز نہیں آسکتا۔

آپ کے دل کی گہرائیوں میں یہ یقین پیوست تھا کہ خدا کے بندوں کا نصب العین اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ وہ خدا سے بچھڑے ہوئے بندوں کو خدا کی طرف بلائیں اس کا فرمانبردار اور اطاعت گزار بنائیں اور انہیں صرف خدا کی رضا کے لیے جینا اور مرنا سکھلائیں۔

تمام خزانوں کا مالک، تمام بھلائیوں کا سرچشمہ، اور اقتدار کا مرکز صرف خدا ہے، لہٰذا خدا کے بندے، بندے بن کر اور اس کی بندگی بجا لاکر ہی زندگی کی عظمت اور حقیقی سکون و اطمینان سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ آپ کی ۲۳ سالہ پیغمبرانہ زندگی شاہد ہے کہ یہی یقین آپ کی داعیانہ زندگی کا امتیازی جوہر تھا۔ اور یہی وہ بنیادی وصف تھا کہ خدا نے آپ کو تمام عالم کا ہادی و رہنما بنایا اور آج بھی دکھی انسانیت اگر سکھ پا سکتی ہے تو صرف اسی کلمۂ توحید کے آفاق گیر سائے میں۔

زندگی سے فیضیاب ہوتے اور دونوں جہاں میں فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہونے کی راہ صرف یہ ہے کہ خدا کے بندے خدا پرستی کی بنیاد پر اپنی زندگی کی تعمیر کریں اور صرف اسی کی رضا کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں، یہی ایک یقینی مرکز ہے جس پر پوری انسانیت کو متحد کیا جا سکتا ہے اور اسی مرکز پر جمع ہو کر انسانیت سکون پا سکتی ہے۔

وطن، قوم، نسل، قبیلہ، زبان، کلچر، کسی بھی چیز کا یہ مقام نہیں کہ وہ مسلمان کا نصب العین بن سکے۔ ان چیزوں کا تو سوال ہی کیا، نبی کی

زندگی تو یہ سبق دیتی ہے کہ ایمان لانے والوں کا نصب العین خود اسلامی جماعت بھی نہیں ہے۔ جماعت بھی اصل مقصد کو حاصل کرنے کا ایک لازمی ذریعہ ہے۔ بجائے خود کوئی مقصود ہرگز نہیں۔

خدا کے بندے خدا کے بندے بن کر ہی خدا کی زمین میں زندگی کی قدر و عظمت جان سکتے ہیں اور دنیا اور اس کے سارے وسائل کو اپنی زندگی کی حقیقی تعمیر میں لگا کر فلاح یاب ہو سکتے ہیں۔ نبی کی زندگی اسی فکر و عمل کی زندہ جاوید مثال ہے۔ عرب کی سرزمین میں آپ کے اس اعلان کی گونج اب بھی ہر سال سنی جا سکتی ہے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میری زندگی اور موت، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے حضور سر اطاعت خم کرنے والوں میں سے ہوں۔

کامل نمونہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل خود آپ کی زندگی ہے۔ آپ اپنی دعوت کا کامل نمونہ تھے، جو کچھ دوسروں کو بتاتے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے، اور اپنی عملی زندگی سے اپنے پیغام کے حق ہونے کی گواہی دیتے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تو خود سب سے پہلے اپنے اسلام کا اعلان کرتے۔

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

داعی اپنی دعوت کا کامل نمونہ اسی وقت بن سکتا ہے جب اس کو اپنی دعوت پر یقینِ کامل حاصل ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثال یقین کی دولت حاصل تھی، اس لیے آپ ہر لالچ، خوف، مصلحت اور آزمائش سے بے نیاز ہو کر اس جرأت و یقین کے ساتھ اپنی دعوت پیش کرتے کہ سننے والے مسحور ہو جاتے اور ان کے دل گواہی دیتے کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا، بات آپ کے دل سے نکلتی اس لیے ان کے دل پر اثر کرتی اور جب وہ آپ کو دیکھتے کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر آپ کا عمل بھی گواہ ہے تو قبولِ حق کے لیے اُن کے دل کھُل جاتے۔

آپ کی نجی زندگی، آپ کی گھریلو زندگی، آپ کی سماجی زندگی اور آپ کے معاملات سب گواہ تھے کہ آپ اپنی تعلیمات میں سچے ہیں، آپ دوسروں سے جو کچھ مطالبہ کرتے ہیں اس سے زیادہ خود عمل کرتے ہیں ——— ۲۳ سالہ مبارک زندگی میں لوگوں نے طرح طرح کے اعتراضات کیے، بھانت بھانت کے الزامات لگائے، لیکن اس طویل مدت میں کسی ایک زبان سے کبھی یہ اعتراض نہیں سنا گیا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ——— قول و عمل کی اس مطابقت ہی کی برکت تھی کہ لوگ بے اختیار آپ کی طرف کھنچتے اور جو بھی قریب آتا وہ آپ کی مبارک زندگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، اِلّا یہ کہ اس نے اپنی فطرت ہی مسخ کر لی ہو۔ یہی صورت حال دیکھ کر مکّہ کے مشرکین آپ کو کاہن، جادوگر اور شاعر جیسے القاب سے یاد کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو آپ کے قریب آنے اور آپ کی باتیں سننے سے روکتے۔ ان کو یہ خطرہ رہتا کہ جو بھی قریب جائے گا وہ

اس شمع کا پروانہ بن کر اسی کے گرد طواف کرنے میں مگن ہو جائے گا اور پھر نہ لوٹ سکے گا۔

آپؐ نے خدا کے بندوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا تو خود عبادت کی وہ اونچی مثال قائم کی جس کی کامل اتباع بھی کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آپؐ رات رات بھر خدا کے حضور کھڑے رہتے پیروں میں ورم آجاتا جاں نثار کہتے۔ حضورؐ! خدا نے آپؐ کی اگلی پچھلی ساری لغزشیں معاف فرما دی ہیں پھر آپؐ کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں؟ تو آپؐ جواب دیتے۔

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

اللہ اکبر شکر گزار بندہ بننے کی کیسی تڑپ تھی۔

آپؐ کی عظمت کا راز یہی ہے کہ آپؐ نے خدا کے بندوں کے سامنے زبان سے جو کچھ کہا اس پر ایسا عمل کیا کہ خدا نے رہتی زندگی تک کے لیے امت کو ہدایت فرمائی۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

(الاحزاب ۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں کے لیے رسول اللہ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

خدا کی رضا اور آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ آپؐ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ بنایا جائے اور اس کی کامل پیروی کی جائے۔ خدا نے قرآن میں بندوں کے لیے جو دین اتارا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس پر عمل کر کے امت کو بتا دیا کہ تمہیں اس طرح عمل کرنا ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ امت کے سب سے بہتر گروہ نے آپؐ کی اتباع اور پیروی کا حق ادا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کے دور کو سب سے بہتر دور قرار دیا ہے۔ اور امت کو وصیت

فرمائی ہے کہ "میرے صحابہؓ روشن ستارے" ہیں، ان میں سے جس کے نقشِ قدم پر بھی چلو گے ہدایت یاب ہو گے" یہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس حقیقت کی گواہی ہے کہ رسولؐ کے ساتھی اور آپؐ کے بعد اسلام کی دعوت دینے والا یہ بہترین گروہ اپنی دعوت کا کامل نمونہ تھا اور ان کی زندگیاں اسلام کی سچی تصویر تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب لوگ آپؐ کو اور آپؐ کے پاکیزہ ساتھیوں کو دیکھتے تو ان پر اسلام کی حقیقت کھل جاتی۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ دینِ حق کو اپنانے سے کیسا کردار بنتا ہے، کیسی قابلِ رشک خانگی زندگی بنتی ہے، کیسا اعلیٰ سماج بنتا ہے، اور کیسا مثالی نظامِ تہذیب و تمدن وجود میں آتا ہے۔ جس میں عدل ہے، مساوات ہے، باہمی ہمدردی اور خیر خواہی ہے، خلوص و محبت ہے، تعاون اور سلوک ہے، سکون و اطمینان ہے، اور کسی کے دل میں کسی کے لیے کوئی کپٹ نہیں، کسی کے لیے کسی کے دل میں کوئی نفرت نہیں، نہ کسی کا استحصال ہے اور نہ کسی کی تحقیر و تذلیل، تو ان کے دل پکار اٹھتے کہ یہ لوگ جھوٹے نہیں ہو سکتے اور یقیناً ان کا دین سچا ہے اور یہی قول و عمل کے اتحاد اور اسلام کی کامل اتباع ہی کا نتیجہ تھا کہ ۲۳ سال کی مختصر مدت میں تاریخ کا وہ بے مثال تہذیبی انقلاب آیا جس پر انسانیت رہتی زندگی تک فخر کرتی رہے گی اور تین تہائی عرب نے اس عظیم رسولؐ کی پیروی کو اپنے لیے سعادت سمجھا جو اپنے پیش کیے ہوئے دین کا کامل نمونہ تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حکمت و سلیقہ

دنیا کے ہر کام کے لیے حکمت و سلیقہ ایک اہم ضرورت ہے،

لیکن دعوت و تبلیغ کے لیے حکمت و سلیقے کی اہمیت یہ ہے کہ خدا نے خود اس کا حکم دیا ہے۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل ۱۲۵)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و سلیقہ کے ساتھ دعوت دیجئے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ میں حکمت و سلیقہ کا جو اہتمام فرمایا وہ خاتم نبوت ہی کا حق ہے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اگر آپ یہ جاننا اور سمجھنا چاہیں کہ قرآن کی اس ہدایت کا منشا کیا ہے اور حکمت کا مفہوم کیا ہے تو اس کا ایک ہی صحیح اور یقینی طریقہ ہے، کہ داعیٔ اعظم نے، دعوت و تبلیغ کا فریضہ جس طرح انجام دیا، وہی حکمت ہے۔ دعوت و تبلیغ کی حکمت کو پانے کا ایک ہی اطمینان بخش ذریعہ ہے کہ آپ کی دعوتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے اور بار بار مطالعہ کیا جائے۔ آپ کی دعوتی زندگی ہی حکمت کی صحیح تفسیر ہے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی سے بے نیاز ہو کر حکمت کی ہر تفسیر، حکمت نہیں ضلالت اور گمراہی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی دعوت و تبلیغ کا جو فریضہ انجام دیا خدا کی نگرانی، حفاظت اور رہنمائی میں انجام دیا۔ خدا نے ہر طرح کی لغزش اور خطا سے آپ کو محفوظ رکھا، اور آپ نے خدا کی منشا اور ہدایت کے مطابق اس فریضہ کو انجام دیا، اور اس سلسلے میں اعلیٰ ترین حکمت اور سلیقہ کا حق ادا کیا۔

حضورؐ کی دعوتی زندگی پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دعوت و تبلیغ کے فریضے کے تقدس اور عظمت کا پورا پورا احساس تھا۔ آپ انسانی نفسیات کا بھی لحاظ فرماتے، مخاطب کے جذبات

احساسات کا بھی خیال رکھتے، موقع و محل کو بھی نگاہ میں رکھتے، اور یہ بات بھی پیش نظر رہتی کہ کس سے کیا کہنا ہے، کس انداز میں کہنا ہے، کس رُخ سے کہنا ہے۔ آپؐ خیال رکھتے کہ مخاطب میں بیزاری اور اکتاہٹ نہ پیدا ہو، دعوت سے بے پروائی اور اس کی تحقیر کا جذبہ نہ اُبھرے، وہ اسے اپنی سب سے قیمتی دولت اور سب سے اہم ضرورت سمجھ کر قبول کرے، اور اسے اپنی ہی چیز تصور کرے۔

مثال کے طور پر صحابہ کرامؓ نے ایک موقع پر دریافت کیا "یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے۔" ارشاد فرمایا:

"سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ"

یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔

جواب کا یہ انداز کس قدر حکیمانہ ہے، یہ جواب سن کر پوچھنے والوں میں اس سنت کو قبول کرنے کے جذبات کس طرح اُبھرے ہوں گے اور کس طرح قربانی کو اپنے باپ دادا کی سنت سمجھ کر انہوں نے دل کی رغبت سے ادا کیا ہو گا ـــــ آپ اس کا جواب یہ بھی دے سکتے تھے کہ یہ خدا کا حکم ہے، یا خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت ہے، یا کچھ اور لیکن آپ نے مخاطب کی نفسیات اور جذبات کا جس طرح لحاظ رکھا اور حکم خداوندی کے لیے قبولیت کی فضا پیدا کرنے کی غرض سے جو انداز بیان اختیار کیا، حکمت کے لحاظ سے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

خدا نے آپ کو حکم دیا کہ اہل کتاب یہود کے سامنے توحید اور اس کے تقاضے پیش کیجئے کہ یہی ہمارے تمہارے درمیان متفقہ بنیاد ہے، ہم بھی اسے مانتے ہیں، تم بھی اسے ماننے کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ اس کے تقاضوں پر غور کریں اور ان کو پورا کریں، خدا کا ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران ۶۴)

کہئے، "اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، ——— یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی خدا کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے"

اس ہدایت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مخالفین سے گفتگو میں متفقہ بنیادوں کو سامنے رکھا جائے، اور اختلافی موضوعات کو چھیڑنے کے بجائے متفقہ بنیادوں کے تقاضے واضح کیے جائیں، تاکہ وہ اس سے بدکنے کے بجائے قریب آئیں، اور اس طرح دعوت کے لیے ان کے دل کھلیں۔ اور رسولِ برحق نے اپنی دعوت میں اس حکمت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔

حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے آپؐ نے ہدایت فرمائی تھی۔

"تم دونوں دین کو لوگوں کے لیے آسان بنانا، مشکل نہ بنانا، لوگوں کو دین کے قریب لانا، ایسا نہ کرنا کہ لوگ دین سے بدک جائیں اور دور بھاگیں"۔ (جمع الفوائد)

دین کو آسان بنانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی دعوت اس طرح پیش کی جائے کہ مخاطب کو دین اپنانا اور اس پر عمل کرنا آسان محسوس ہو، دین کو اس انداز سے سامنے نہ لایا جائے کہ سننے والوں کی ہمتیں جواب دینے لگیں اور وہ کچھ اس طرح سوچنے لگیں کہ ایسے دین کو قبول کرنا ان کے

بس کی بات نہیں ہے۔

ایک بار کسی بدنصیب نے داعیٔ اعظمؐ کی شان میں گستاخی کی اور کچھ نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ اس پر صحابہ کرامؓ کی حالت غیر ہو گئی ——— ممکن تھا کہ غصہ سے بے قابو ہو کر لوگ اس گستاخ کو قتل کر ڈالتے۔ آپ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے لوگوں کو جس انداز سے داعیانہ حکمت کا سبق دیا وہ ہمیشہ نگاہوں میں رکھنے کے لائق ہے۔ آپؐ نے فرمایا

میری اور اس شخص کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی کے پاس ایک اونٹنی تھی جو بدک گئی اور رسی تڑا کر بھاگ کھڑی ہوئی لوگوں نے اس کا پیچھا کیا، اور طاقت و تشدد کے ذریعے اس پر قابو پانا چاہا ——— ان کی ان کوششوں کے نتیجے میں وہ کچھ اور بھڑک گئی اور ہزار جتن کے باوجود کسی طرح قابو میں نہ آسکی،

اونٹنی کے مالک نے لوگوں سے کہا، تم ہٹ جاؤ، میں خود ہی اسے قبضے میں کر لوں گا۔ میں بہت اچھی تدبیر جانتا ہوں، مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ کس طرح قابو میں آئے گی۔ اب اس نے اونٹنی کا پیچھا نہیں کیا، بلکہ اونٹنی کے آگے سے آیا، زمین سے کچھ گھاس لی، اور پیار سے چمکار کر اس کی طرف بڑھا، اونٹنی اس کے پاس آگئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے اونٹنی پر کجاوہ باندھا اور اطمینان سے اس پر سوار ہو گیا۔"

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر پنجشنبہ کو پابندی کے ساتھ وعظ و تلقین کیا کرتے تھے۔ ان سے کسی نے گزارش کی، اے ابو عبدالرحمٰن! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ وعظ و نصیحت کا یہ پروگرام روزانہ

رکھیں، عبداللہ بن مسعودؓ نے اس شخص سے کہا "روزانہ تقریر و وعظ کا یہ پروگرام رکھنے سے جو چیز میرے لیے مانع بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ کہیں اس سے اکتا نہ جائیں اور مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ آپ لوگ دین کی دعوت سے اکتا جائیں، میں اسی طرح وقفہ وقفہ سے تمہیں نصیحت و تلقین کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناغہ دے کر نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔"

(بخاری، مسلم)

دراصل دین ہی انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہ سرمایہ یونہی اندھا دھند بکھیرنے اور ہوا کے رُخ پر اُڑانے کے لیے نہیں ہے، داعی کا فرض ہے کہ وہ اپنی دعوت کے تقدس اور عظمت کا پورا پورا احساس رکھے، اس کیلئے مناسب زمین کا انتخاب کرے، موزوں حالات اور اچھے موسم کا لحاظ کرے، اور یونہی دانے بکھیر کر غافل نہ ہو جائے بلکہ ان قیمتی دانوں کی باقاعدہ کاشت کرے، ان کی آبیاری اور پرورش و پرداخت اور نگرانی کا مناسب بندوبست کرے ہر طبقے ہر گروہ اور ہر فرد سے اس کی فکری رسائی، ذہنی کیفیت، استعداد و صلاحیت، سماجی حیثیت اور رجحان و میلان کا لحاظ رکھے، اور اس بات کو بھی نگاہ میں رکھے کہ مخاطب میں جب قبولیت کا رجحان اور جذبات پیدا ہوتے نظر آئیں اس وقت انتہائی سوز اور اہمیت کے ساتھ اپنی بات رکھے۔ اور اپنی دعوت مخاطب کے دل میں اتارنے کی کوشش کرے۔

حضرت عکرمہؓ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا "ہفتہ میں صرف ایک بار وعظ و تلقین کا پروگرام رکھو زیادہ کرو تو دو دن رکھ لو، اور تین بار سے زیادہ تو ہرگز نہ رکھو ——— دیکھو

اس قرآن سے لوگوں میں بیزاری نہ پیدا کرو۔ ایسا کبھی نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس دین کی دعوت دینے کے لیے پہنچو، اس وقت وہ اپنے کسی کام میں لگے ہوئے ہوں اور تم اپنا وعظ شروع کر دو۔ اور ان کی بات کاٹ کر اپنی بات کہنے لگو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اُن کو دین کی دعوت سے دور کر دو گے ——— صحیح بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرو۔ اور جب تو ان کے اندر دین کی طلب دیکھو اور وہ تم سے خود مطالبہ کریں تو اس وقت اپنی بات کہو، اور دیکھو تقریر میں قافیہ آرائی اور عبارت سازی اور شاعرانہ انداز اختیار کرنے سے بچو کیونکہ میں نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ بناوٹ اور عبارت آرائی سے بہت دور رہتے تھے۔ (بخاری)

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی کو ناپسندیدہ بات کرتے دیکھتے تو بہت کم ایسا ہوتا کہ آپؐ اسے براہِ راست منہ در منہ ٹوکتے ——— ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا، اس کے کپڑوں پر کچھ پیلے پیلے دھبے تھے، جب وہ آدمی اٹھ کر گیا تو آپؐ نے فرمایا" اگر یہ شخص اپنے کپڑے بدل لیتا، یا ان دھبوں کو صاف کر لیتا تو کتنا اچھا ہوتا"۔

امام سرخسیؒ نے مبسوط میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا:۔

" دیکھو ایسا ڈھنگ نہ اختیار کرنا کہ اللہ کے بندے اللہ کی بندگی سے نفرت کرنے لگیں" یعنی داعیانِ حق دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں کوئی ایسا غیر حکیمانہ اور بھونڈا انداز ہرگز نہ اختیار کریں کہ لوگوں کو اپنے رب کی راہ پر چلنے اور دین کو اپنانے ہی سے نفرت ہونے لگے۔

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو نگاہ کی حفاظت،

راہ خدا میں پہرہ دینے کی عظمت اور خوف خدا میں رونے کی اہمیت و فضیلت کی طرف متوجہ فرمایا اور ان فضیلتوں کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے ایسا حکیمانہ انداز اختیار فرمایا جو داعیانہ حکمت کی اعلیٰ مثال ہے آپ نے فرمایا۔

"قیامت کے روز ہر آنکھ روئے گی۔ سوائے اس آنکھ کے جس نے کسی حرام چیز پر نگاہ نہ ڈالی، اور سوائے اس مجاہد کی آنکھ کے جو پہرہ دینے کے لیے جاگتی رہی ہو، اور وہ آنکھ قیامت کے روز نہ روئے گی جس سے دنیا میں خوف خدا کی وجہ سے کسی وقت آنسو نکلا ہو چاہے وہ مکھی کے سر کے برابر حقیر اور چھوٹا ہو"

اجتماعی جدوجہد

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی اشاعت و اقامت کے لیے محض انفرادی کوششیں ہی نہیں کیں، بلکہ ایک نہایت مضبوط او منظم جماعت بنا کر اجتماعی جدوجہد کی، آپ کی بے مثال عظمت و شخصیت سے کون انکار کرسکتا ہے لیکن دین کی اقامت کے لیے آپ نے بھی اجتماعی جدوجہد فرمائی، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اجتماعی جدوجہد کے بغیر دین کی اقامت کا فریضہ انجام دینا ممکن نہیں۔ آپ نے باطل کے مقابلے میں ایک منظم جماعت تشکیل دی اور اس جماعت نے کندھے سے کندھا ملا کر باطل کے خلاف جنگ کی۔ خدا کو اس جماعت کی یہ منظم اور اجتماعی جاں نثاری اور سرفروشی اس قدر پسند آئی کہ اس کو اپنا محبوب قرار دیا۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ
صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ۔ (الصف ۴)

بے شک خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی
راہ میں اس طرح صف باندھ کے لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی
ہوئی دیوار ہیں۔

اس جماعت کو خدا نے اس لیے اپنی محبوبیت کا شرف بخشا کہ یہ سیسہ پلائی دیوار بن کر حق کو غالب کرنے کے لیے باطل کے مقابلے میں آئی۔ اور منظم جماعت بن کر ان فداکاروں نے باطل کا مقابلہ کیا اور دنیا میں ایک نئی تاریخ کا باب کھولا۔

خدا نے رسولؐ کی بعثت کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ
الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(التوبہ ۳۳)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور
دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب
کردے چاہے مشرکین کو یہ بات کتنی ناگوار ہو۔

دینِ حق سے مراد وہ آسمانی نظامِ بندگی ہے، جس کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ اقتدار کا مالک تنہا وہ خدا ہے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے ——— وہی انسان کا حقیقی مالک، معبود اور حاکم ہے اور عبادت و اطاعت صرف اسی کا حق ہے۔ یہی وہ دینِ حق ہے جو ہر دور میں خدا کے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کے لیے اُترتا رہا ہے، اور اسی دینِ حق کے ساتھ خدا نے اپنے آخری رسولؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ حیاتِ نبوت میں اسی دین کو غالب اور نافذ کرنے کی مبارک سعی فرمائی۔ اس دورِ سعادت میں

دین کو ہمہ گیر غلبہ حاصل ہوا اس دور میں دینِ حق کو فکری اور ذہنی غلبہ بھی حاصل تھا، اس سے انفرادی زندگیاں بھی آراستہ تھیں اور اس دین کو سیاسی اور مادی غلبہ بھی حاصل تھا۔ اور دین کو غالب کرنے کے لیے ہی نبی اور آپ کے پیچھے جاں نثاروں نے خدا کی اس ہدایت پر عمل کا حق ادا کیا جو سورۂ توبہ میں بعثتِ رسول کا مقصد بتانے والی آیت کے دو ہی آیتوں کے بعد دی گئی ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً

اور مشرکوں کے مقابلے میں سب متحد ہو کر لڑو جس طرح وہ سب تمہارے مقابلے میں متحد ہو کر لڑتے ہیں۔

یعنی دین کو قائم کرنے اور پورے دین کو نافذ اور غالب کرنے کے لیے منظم باطل کے مقابلے میں سارے مادی وسائل سے مسلح ہو کر اجتماعی منظم جدوجہد کرو۔ اور جس طرح اہلِ باطل تمہارے مقابلے میں منظم ہیں تم بھی متحد اور منظم ہو کر ان کا مقابلہ کرو۔

دراصل منظم برائی اور چھائے ہوئے باطل نظام کے بجائے خدا کے پسندیدہ نظامِ حق کو قائم کرنے کے لیے خدا پرستوں کی انفرادی کوششیں، انفرادی تزکیۂ نفوس، پُرسوز دعائیں، خشوع و خضوع کی عبادتیں، اور ذکر و فکر ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان سب کے ساتھ ساتھ مضبوط اور منظم اجتماعیت، ایک قائد کی سرکردگی میں، ٹھوس منظم اور مسلسل اجتماعی جدوجہد بھی لازمی ہے۔ اس کے بغیر منظم منکر اور چھائے ہوئے باطل کو ہٹا کر زندگی کے ہر شعبے میں معروف کو قائم اور نافذ کرنا ممکن نہیں منظم باطل کو منظم اجتماعی کوشش کے ذریعے ہی مٹایا جا سکتا ہے اور حق کو قائم کرنے کے لیے منظم انقلابی جدوجہد ناگزیر ہے۔ یہ عقل و بصیرت کا تقاضہ بھی ہے اور خدا کا عائد کیا ہوا فریضہ بھی۔ اس سے پہلوتہی دراصل

حق کی اطاعت سے پہلوتہی ہے اور اس جدوجہد میں جان کھپانا اور اجتماعی جدوجہد میں وقت، مال اور جان کی قربانی دینا عین دینداری ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ جماعتی زندگی گزاریں اور دین کے لیے اجتماعی جدوجہد کرتے رہیں۔

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ۔ (مشکوٰۃ، مسند احمد، ترمذی)

میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں، جماعت کا، سننے کا، اطاعت کا، ہجرت کا اور خدا کی راہ میں جہاد کا۔

اس ہدایت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان جماعتی زندگی گزاریں، اپنا ایک سربراہ منتخب کریں، اس کے حکم کو سنیں اور اس کی اطاعت کریں اور دین کے لیے اپنا وطن بھی چھوڑیں اور دین کو قائم اور غالب کرنے کے لیے ہر طرح کی اجتماعی جدوجہد کریں ضرورت ہو تو مسلح جدوجہد بھی کریں۔

دین کی بنیاد پر بننے والی اجتماعیت اور دین کی اشاعت و اقامت کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے والوں کی قدر و قیمت خدا کی نظر میں کیا ہے اس کی ایک جھلک ذیل کی حدیث میں ملاحظہ کیجیے۔

عمر بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا۔

قیامت کے دن خدائے رحمٰن کے داہنے جانب کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہیں اور نہ شہید مگر ان کے چہروں کا نور دیکھنے والوں کی نظر کو خیرہ کر رہا ہوگا۔ ان کے بلند مقام اور اونچے مرتبے کو دیکھ کر نبی اور شہید خوش ہو رہے ہوں گے

- اپنے جذبات اور خواہشات پر قابو رکھنا
- سخت سے سخت حالات میں حق پر جمے رہنا، اور کسی قیمت پر بھی اپنے اصولوں سے نہ ہٹنا۔
- راہِ حق میں آنے والی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا۔

جذبات اور خواہشات پر قابو رکھنے کے معنی یہ بھی ہیں، کہ آدمی ہر طرح کے لالچ اور نفسانی خواہشات سے اپنے کو روکے اور یہ بھی کہ وہ متحمل، بُردبار اور مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہو۔

قرآن پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (المزمل)

اور سہتے رہیے ان کی دل آزار باتوں کو اور ان سے اچھے انداز میں کنارہ کشی اختیار کیجیے۔

یعنی ان کے بیہودہ الزامات، لغو باتوں کا آپ کوئی اثر نہ لیجیے طبیعت میں ہرگز اشتعال نہ پیدا ہونے دیجیے بلکہ اچھے انداز میں درگزر کیجیے اور تحمل، بردباری، وقار اور اعلیٰ ظرفی سے کام لے کر ان کے پاس سے ہٹ جائیے۔

ایک دوسرے مقام پر ہدایت دی گئی ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

(الکہف ۲۸)

اور اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا کے طالب بنے ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے کبھی نگاہیں نہ پھیریے کہ آپ دنیا کی آرائشیں چاہنے لگیں۔

داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہدایات کو کس طرح جذب کیا اور کس مثالی صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا۔ اس کی ایک جھلک دیکھیے۔

نجاشی نے کفار قریش کو جب مایوس اپنے دربار سے لوٹا دیا تو انہوں نے باہمی مشورے سے ایک اور اسکیم تیار کی اور مکہ کا مشہور سرمایہ دار عتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا۔

"میرے بھتیجے محمدؐ! تم نے جو یہ دھندا پھیلا رکھا ہے، اگر تم اس کے ذریعے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہارے لیے اتنا کچھ جمع کر دیں گے کہ تم مالا مال ہو جاؤ گے اگر تم عزت و وقار کے خواہش مند ہو، تو ہم سب تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں، اگر تمہیں بادشاہ بننے کی آرزو ہے تو ہم تمہیں عرب کا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ جو تم چاہو ہم کرنے کے لیے تیار ہیں، اگر تم اپنا یہ دھندا چھوڑ دو۔"

عتبہ کی گفتگو کے جواب میں داعیٔ اعظمؐ نے فرمایا ——— نہ مجھے مال کی ضرورت ہے اور نہ میں عزت و حکومت کا بھوکا ہوں، اگر تم میری حقیقت سمجھنا چاہتے ہو تو قرآن کی ان آیتوں پر غور کرو، پھر آپ نے چوبیسویں پارے کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔

خدا کا کلام سن کر عتبہ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے گردن پیچھے کی طرف ڈالے سننے میں محو تھا ——— اور آخر کار چپ چاپ اٹھ کر چلا آیا قریش کے لوگ منتظر تھے کہ عتبہ کیا جواب لے کر آتے ہیں ——— عتبہ کے پہنچتے ہی لوگوں نے پوچھا۔ کہو کیا خبر لائے ہو؟

عتبہ: میں تو محمدؐ کی زبان سے عجیب و غریب کلام سن کر آیا ہوں۔ یہ کلام نہ تو شاعروں کی شاعری ہے، نہ کاہنوں کے تیر تکے ہیں، نہ جادو منتر ہے ——— وہ تو کچھ اور ہی ہے ——— تم میرا کہنا مانو اور میرے

کیسے پر چلو ـــــ محمدؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ سرداروں نے عتبہ کی زبان سے یہ کلمات سنے تو کہا ـــــ معلوم ہوتا ہے عتبہ پر بھی محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔

قریش جب اس اسکیم میں بھی ناکام ہوئے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ سارے سردار اکٹھے ہوئے۔ حضورؐ کے چچا ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہا۔

"برداشت کی حد ہو گئی، آپ اپنے بھتیجے کو ان حرکتوں سے روکیے ورنہ ہم اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

تمام قریش کی مخالفت دیکھ کر بوڑھے چچا کا دل بھتیجے کی محبت سے بھر آیا آپؐ کو بلا کر نہایت پیار اور دلسوزی سے کہا بھتیجے! مجھ بوڑھے پر ترس کھاؤ۔ اور توحید کی اس دعوت سے باز آؤ۔ میں کمزور بوڑھا کب تک تمہاری حمایت کر سکوں گا۔"

داعیٔ اعظمؐ نے فرمایا۔ چچا! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں توحید کی دعوت سے باز نہ آؤں گا۔ اور خدا کے حکم میں ذرہ بھر کمی بیشی نہ کروں گا چاہے اس راہ میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

دعوت الی اللہ کی ذمہ داری عظیم ترین ذمہ داری ہے، اس کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جو صبر و ثبات کی دولت سے مالا مال ہو، جو حق پر جمے رہنے کے لیے ہر لالچ، ہر خوف اور ہر خواہش نفس پر قابو پا سکے، جو خوشی خوشی اس راہ کی تمام مشکلات اور پریشانیوں کو برداشت کر سکے اور ہر طرح کے خطرات اور فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے باطل کے مقابلے میں چٹان کی طرح جما رہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى إِلَيْكَ وَاصْبِرْ۔ (یونس ۱۰۹)

آپؐ اس ہدایت کی پیروی کیجیے جو آپؐ کی طرف نازل کی جارہی ہے، اور اس پر مضبوطی سے جمے رہیئے۔

پھر خدا نے آپؐ کو تلقین فرمائی۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥ (البقرۃ۔ ۲۵۰)

اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے، ہمارے قدم جما دے، اور کافر گروہ کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

قرآن پاک میں ایک مقام پر دعوت الی اللہ کی فضیلت و تحسین فرمانے کے بعد داعیٔ حق کو ہدایت دی گئی ہے کہ برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔ اس طرزِ عمل سے کٹر دشمن بھی تمہارے جگری دوست بن جائیں گے۔

قرآن پاک کی اس ہدایت کی تشریح کرتے ہوئے حضورؐ کے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔

"دعوت کا فریضہ انجام دینے والوں کو صابر اور بردبار ہونا چاہیئے۔ لوگ اگر غصہ دلانے والی حرکتوں پر اتر آئیں تو ایسے موقع پر غصہ کا جواب غصہ سے نہ دیں، غصہ آئے تو اسے تھوک دیں، ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کی خدا حفاظت فرمائے گا، دشمن ان کے آگے جھک جائے گا اور ان کا گہرا دوست اور پرجوش حامی بن جائے گا۔

احد کی جنگ میں جس بہادری، استقلال اور ثابت قدمی کا ثبوت آپؐ نے دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے، خدا کی قسم جب لڑائی ہوتی تو حضورؐ ہم سب سے آگے ہوتے اور ہم لوگ آپؐ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے اور ہم میں سب سے زیادہ

بہادر وہ سمجھا جاتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا۔

مصائب کے مقابلے میں جمنے اور سخت سے سخت حالات میں بھی قدم جمائے رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے آپؐ نے ہدایت فرمائی۔

اَیُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِیَةَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ۔ (بخاری، مسلم)

لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی آرزو نہ کرو۔ اور خدا سے عافیت کی دعا کرو۔ ہاں جب دشمن سے مقابلہ ٹھن جائے تو ثابت قدم رہو، اور خوب سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی راہ میں جو مصائب برداشت کیے ——— اور آزمائش و آلام کے جن جن مرحلوں سے گزرے ان کے تصور ہی سے دل لرزنے لگتا ہے، اور یہ حقیقت کہ ان دل ہلا دینے والے مرحلوں میں آپؐ نے صبر و ثبات کا جو نمونہ پیش کیا۔ وہ صرف آپؐ ہی کا حق ہے خود آپؐ ہی کا ارشاد ہے۔

"مجھے خدا کی راہ میں اتنا اتنا ڈرایا گیا کہ آج تک کوئی انسان اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ اور مجھے خدا کی راہ میں ایسا ایسا ستایا گیا کہ آج تک کوئی انسان اتنا نہیں ستایا گیا۔ اور ہم پر تیس دن اور راتیں تو ایسی گزریں کہ میرے اور بلالؓ کے لیے کوئی چیز نہ تھی جسے کوئی انسان کھا سکے سوائے اس معمولی توشے کے جو بلالؓ کی بغل میں تھا۔

قربانی اور جاں نثاری

داعی اعظمؐ کی زندگی کیا ہے بے مثال قربانی اور جاں نثاری کی

ایک ایمان افروز داستان۔ جتنی بار پڑھیے اور سنیے ایمان تازہ ہوتا ہے اور قربانی کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ آپؐ نے قربانی اور جاں نثاری کی تلقین و نصیحت ہی نہیں کی بلکہ عظیم مقصد کی خاطر آپؐ نے جاں نثاری اور قربانی کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر نہ تاریخ انسانی آج تک پیش کر سکی ہے اور نہ پیش کرنا ممکن ہے۔

جوانی کا عالم ہے، کامیاب تجارت ہے، جوانی کے جذبات ہیں مگر چونکہ خدا کو ایک عظیم مقصد کے لیے آپؐ کی تربیت مطلوب تھی اس لیے ایک عمر رسیدہ خاتون سے آپؐ کی شادی ہوتی ہے اور آپؐ ۲۵ سال تک امّ المومنینؓ کے ساتھ صبر و ضبط کی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ وہ قربانی ہے جو کارِ نبوت انجام دینے کے لائق بننے کے لیے نبوت ملنے سے پہلے آپؐ نے دی اور یہ حقیقت ہے کہ یہ بہت بڑی قربانی ہے۔

نبوت سے سرفراز ہوئے تو کامیاب کاروبار اپنے مقصد پر قربان کر دیا۔ اور اس کامیاب تجارت سے حاصل کی ہوئی دولت اپنے مشن پر لٹا دی۔۔۔۔ پھر جب فتح و نصرت سے نوازے گئے۔ اور خدا نے آپ کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیے تو اس وقت بھی دولت دوسروں پر لٹاتے رہے، دوسروں کو تقسیم کرتے رہے لیکن اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔

حضرت عمرو بن حارثؓ آپؐ کی بے مثال قربانی کا ایمان افروز حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"خدا کے رسولؐ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ تو آپؐ نے نہ کوئی درہم و دینار چھوڑا نہ کوئی باندی اور غلام، اور نہ کوئی اور چیز چھوڑی ہاں ایک مادہ خچر جو سفید تھا اور جس پر آپ سواری فرمایا کرتے تھے،

اور اپنے ہتھیار، اور تھوڑی سی زمین تھی جو آپ نے راہِ خدا میں وقف کر دی تھی"۔

دونوں ہاتھوں سے دولت بانٹنے والے جب رخصت ہوئے تو نہ آپ کا کوئی اندوختہ تھا، نہ گھر والوں کے لیے کوئی جائداد اور جاگیر نہ اپنے وارثوں کے لیے کوئی موروثی گدی چھوڑی، سرورِ کونین نے فقیرانہ زندگی گزاری اور جب رخصت ہوئے تو گھر میں حال یہ تھا کہ پڑوس سے تیل مانگ کر چراغ جلایا گیا۔

ہر وقت کے حاضر باش صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اسلام کی دعوت دینے والوں کے لیے داعیِ اعظمؐ کی زندگی میں کیا نمونہ ملتا ہے۔

خدا کے رسولؐ کھجور کی ایک چٹائی پر سو رہے تھے، جب اُٹھے، تو ہم نے دیکھا کہ آپ کے مبارک پہلو میں چٹائی کے گڑنے کے نشان پڑے ہوئے ہیں ہم نے کہا، یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم آپ کے لیے ایک گدا تیار کر دیں، فرمایا، مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ میں تو اس دنیا میں ایسا ہوں جیسے کسی مسافر نے کسی درخت کے سائے میں چند لمحے آرام کیا اور پھر سب کچھ چھوڑ کر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

خدا کے رسولؐ نے اپنے عظیم مقصد کے لیے اپنا سب کچھ بے دریغ لگا دیا، اور اپنی بے مثال قربانیوں اور کاوشوں کا کوئی اجر اس دنیا میں کسی سے نہیں چاہا، صرف خدا کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ لگایا اور صرف اسی سے اجر کے طالب رہے، جوانی کی امنگیں، کامیاب کاروبار، بہترین ذہنی اور فکری صلاحیتیں، جسم وجان کی بہترین توتیں، مال و دولت اور

زندگی کے سارے قیمتی اوقات اپنے مشن کے لیے قربان کر دیئے۔

قرآن پاک میں اسلام کے خادموں سے کہا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

(الاحزاب ۲۱)

درحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ زندگی کس بات میں نمونہ ہے؟ بے شک اس کا یہ جواب بالکل حق ہے کہ حیات طیبہ ہر معاملے میں مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس لیے بھی کہ اسلام دراصل نام ہی ہے رسول پاک کی پیروی کا، اور اس لیے بھی کہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس آیت میں کوئی ایسی تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ فلاں معاملے ہی میں رسول ؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

مگر آیت کے سیاق و سباق اور پس منظر پر غور کرنے سے اتنی بات ضرور سامنے آتی ہے کہ اس موقع پر آپ کے طرز عمل کو نمونے کے طور پر پیش کرنے سے مقصود دراصل ان لوگوں کو سبق دینا تھا جنہوں نے جنگ احزاب میں عافیت کوشی، آرام طلبی اور مفاد پرستی سے کام لیا تھا۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم رسول اللہ کی اتباع اور پیروی کے دعوے میں سچے ہو تو پھر یہ عافیت کوشی اور مفاد پرستی کیسی!

اس راہ میں جو خطرہ بھی سامنے آیا، جس مشقت اور صعوبت سے بھی تم دوچار ہوئے، جو محنت اور جانفشانی بھی تمہیں کرنی پڑی اس میں رسول اللہ نہ صرف یہ کہ تمہارے ساتھ بنفس نفیس شریک رہے بلکہ ہر موقع پر آگے آگے رہے۔ کسی موقع پر ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے خطرے کے وقت کوئی کمزوری دکھائی ہو یا نکل بھاگنے کی تیاریاں کی ہوں۔ محاصرے

کے دوران میں آپؐ ہر وقت محاذِ جنگ پر موجود رہے، اور ایک لمحے کے لیے بھی دشمن کے مقابلے سے نہ ہٹے۔ بنی قریظہ کی غداری کے بعد بے شک تمہارے بال بچے خطرے میں تھے۔ مگر رسولِ خدا کے بال بچے بھی تو خطرے میں تھے، انہوں نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے کوئی مخصوص انتظام تو نہیں کیا۔ بھوک اور سردی کی تکلیف اگر تم نے اٹھائی تو خدا کے رسول بھی تمہارے ساتھ برابر شریک رہے جس عظیم مقصد کے لیے انہوں نے تم سے قربانی کا مطالبہ کیا، اس کے لیے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہے۔

اسلام کی اقامت اور اشاعت کے لیے جب بھی کوئی گروہ اٹھے تو اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھے، کہ اس راہ میں اُسے اپنا سب کچھ اسی طرح کھپانا ہے، جس طرح خدا کے رسولؐ نے کھپایا ہے۔ اور رواعیانِ حق کے لیے آپؐ کی زندگی اس معاملہ میں خصوصیت سے بہترین نمونہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ جو ہمہ وقت رسولؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔

> قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کچھ نادار مجاہدین کو مجھ سے پیچھے رہ جانا گوارا نہ ہوگا اور میرے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ان کے لیے سواری وغیرہ کا انتظام کر سکوں تو میں راہِ خدا میں نکلنے والے کسی ایک دستے سے بھی پیچھے نہ رہتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرا تو جی چاہتا

ہے کہ میں خدا کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔"

حضرت ابو عمیرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"میں راہِ خدا میں کام آجاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ روئے زمین کے سارے لوگ میرے بن جائیں۔"

حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"میں صبح و شام خدا کی راہ میں نکلنے والے کسی مجاہد کو رخصت کرنے کے لیے کچھ دور تک جاؤں اور سوار ہوتے میں مدد دوں یہ مجھ کو دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

کوئی بھی مقصد ہو وہ محنت و جانفشانی، ایثار و قربانی اور جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے ـــــ کسان زمین سے اُسی وقت پیداوار حاصل کرتا ہے۔ جب کھوئی کے سارے دانے خاک میں ملا کر شب و روز اس میں محنت کرتا ہے اور اپنی سخت کوشش اور جاں فشانی سے اُسے پیداوار کے لائق بناتا ہے ـــــ دینِ حق کی اقامت اور تمام ادیان پر اس کو غالب کرنے کا عظیم مقصد بھلا مسلسل قربانی، اور بے مثال جانفشانی اور محنت و کاوش کے بغیر کیسے پورا ہو سکتا ہے۔ جتنا عظیم مقصد ہوگا اتنی ہی محنت اور کاوش اس کے لیے درکار ہوگی ـــــ اور کامیابی انہیں کا حصّہ ہے جو اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کی ہمت اور عزم رکھتے ہوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ داعیانِ حق نے ہر دور میں اپنے خون سے اپنی تاریخ لکھی ہے۔ اور ان کی بے مثال

قربانیوں کی بدولت ہی انہیں وہ سب کچھ ملا ہے، جس کی آرزو سے کسی مومن کا سینہ خالی نہیں ہو سکتا۔

حضرت اُمّ حارثہ کے بارے میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں، اے اللہ کے نبی! کیا آپ حارثہ کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں گے؟ غزوۂ بدر سے پہلے نہ جانے کدھر سے کوئی تیر آکر لگا اور وہ شہید ہو گئے —— اگر حارثہ جنت میں ہوں تو میں صبر کروں ورنہ جی بھر کے روؤں۔ آپؐ نے فرمایا اے اُمّ حارثہ! جنت میں تو بہت سے باغات ہیں، تمہارا جگر گوشہ تو فردوس بریں میں ہے۔

حضرت راشد بن سعد صحابہؓ میں سے کسی آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبیؐ سے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا بات ہے کہ سارے مومن اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں" ارشاد فرمایا "شہید قبر کی اس آزمائش سے بچا رہتا ہے اس کے سر پر تلواروں کا چمکنا ہی اس کے لیے آزمائش ہے!"

قرآن پاک میں خدا کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِھٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران ۱۶۹ — ۱۷۱)

جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے انہیں مُردہ نہ سمجھو وہ

تو حقیقت میں زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوشیاں منا رہے ہیں، اور مطمئن و مسرور ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور غم کا موقع نہیں ہے وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

ایک دوسرے مقام پر ہے :-

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(التوبہ ۸۸-۸۹)

لیکن رسول نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لا کر رسول کے ساتھ ہو لیے ہیں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔

ذرا آنکھیں بند کر کے اس منظر کو تو یاد کیجیے، جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا ہے :-

کہ نبیوں میں سے ایک نبی کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے، آپؐ نے فرمایا کہ دعوت دینے کے جرم میں اس نبی کو قوم کے لوگوں نے اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا ——— نبی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے اور کہتے جاتے، اے اللہ! میری قوم کے اس جرم کو معاف فرما دے (اور ان پر ابھی عذاب نہ نازل فرما) اس لیے کہ یہ لوگ ناواقف ہیں اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔

داعیانِ حق کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تنبیہ ہمیشہ نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔
جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

"حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگ دین کے لیے محنت، قربانی اور جاں فشانی نہ کریں گے تو خدا ایسے لوگوں پر اپنا عذاب مسلط کر کے رہے گا۔"

(ترغیب بحوالہ طبرانی)

استعانت و استغفار

داعیٔ اعظمؐ نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں جو عظیم کارنامہ انجام دیا، اور افکار و عقائد، عادات و اخلاق، تہذیب و معاشرت، معیشت و سیاست میں جو مثالی انقلاب برپا کیا اور جاہلیت میں ڈوبی ہوئی ایک قوم کو اپنی غیر معمولی داعیانہ کوششوں سے جس طرح امامتِ عالم کے منصب پر لا بٹھایا، اس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، مگر اتنا

عظیم اور بے مثال کارنامہ انجام دینے کے بعد بھی داعیِ اعظمؐ کی مبارک زندگی میں نہ اپنے کارناموں پر فخر ہے، نہ اپنی کامرانی اور فتح کے لیے کوئی جشن ہے، نہ اپنی حمد و ثنا ہے، بلکہ عاجزی اور انکساری توبہ و استغفار میں اور زیادہ انہماک ہے، خدا کی حمد و ثنا، ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں اور زیادہ شدت کے ساتھ مشغولیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینِ حق کی اشاعت و اقامت کے لیے اخلاص اور دل سوزی کے ساتھ اپنا سب کچھ قربان کرنے والا کبھی فخر و غرور کا شکار نہیں ہو سکتا، اس کی نظر ہمیشہ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ہوتی ہے اور وہ جو کارنامہ ——— بھی انجام دیتا ہے، یہ نہیں سوچتا کہ یہ اس کا کمال ہے، بلکہ وہ اسے خدا کی توفیق اور اس کا فضل و کرم تصور کرتا ہے۔

داعیِ اعظمؐ نے شب و روز کی انتھک محنت اور دعوت و تبلیغ کی مسلسل کوششوں سے پورے عرب میں ایک تہذیبی انقلاب برپا کر دیا، صرف ظاہری فتح ہی حاصل نہ کی بلکہ دلوں کو مسخر کر لیا اور پورے عرب میں کوئی ایک مشرک بھی شرک کی نجاست پھیلانے کے لیے باقی نہ رہا، پھر ایک لاکھ چالیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ آپؐ نے فریضۂ حج ادا کیا ——— جس میں وہ تاریخی اور انقلابی خطبہ دیا جس کا ایک ایک فقرہ انسانیت کی فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے۔ یہ بے مثال کامیابی سامنے رکھیے اور پھر اس بات پر غور کیجیے کہ اس موقع پر خدا تعالیٰ نے آپؐ پر جو سورہ نازل کی اس میں آپؐ کو کیا تلقین کی گئی۔

وفات سے تین ماہ پہلے خدا تعالیٰ نے آپؐ پر سورہ النصر نازل فرمائی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

"جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور آپ دیکھ لیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے بیشک وہ بڑا قبول کرنے والا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ سورت سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ حضورؐ کی وفات سے صرف ۸۱ دن پہلے نازل ہوئی ——— اس روایت کی رو سے سورۂ نصر اس وقت نازل ہوئی جب اسلام اپنی تمام برکتوں اور عظمتوں کے ساتھ عرب پر غالب آچکا تھا۔ اور جب پورے پورے قبیلے اور بڑے بڑے علاقوں کے باشندے کسی مزاحمت کے بغیر ازخود اسلام کی آغوش میں آرہے تھے، عرب کے گوشے گوشے سے وفود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ پہنچ کر اسلام لا رہے تھے، اور ہر طرف توحید کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ اس عظیم اور زبردست کامیابی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے جو ہدایت دی ہے، اور جس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے۔ داعیانِ حق کو چاہیے کہ اسے کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں ——— حضورؐ سے فرمایا گیا ——— جب آپ کو فتح نصیب ہو اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں، تو آپ خدا کی حمد و ثنا کریں، اور اس سے اپنے قصوروں کے لیے استغفار کریں۔ دینِ حق کی کامیابی اور لوگوں کا دینِ حق کی طرف جوق در جوق متوجہ ہونا بیشک بہت بڑی کامیابی ہے مگر داعی کو اس موقع پر بھی یہ حقیقت نگاہ میں

رکھنی چاہیے کہ یہ سب کچھ خدا کی توفیق اور اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اس کے سوچنے کا انداز یہ نہ ہو کہ میری انتھک کوششوں سے مجھے یہ کامیابی ملی بلکہ اسے خدا ہی کی حمد و ثنا کرنی چاہیے اور اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کو یاد کر کے خدا سے استغفار کرنا چاہیے۔ غیر معمولی کامیابی حاصل کرنے کے بعد داعی کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ فخر و غرور کی گندگی سے اپنی مخلصانہ سعی و کوشش کو برباد کرے بلکہ اسے پھل دار ٹہنی کی طرح اور زیادہ جھک جانا چاہیے۔ اور اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا کرنا چاہیے کہ پروردگار میں جو کچھ کر سکا تیری توفیق سے ہی کر سکا مجھے اپنی کوتاہیوں اور قصوروں کا خوب احساس ہے اے پروردگار! تو میرے قصوروں پر مغفرت کا پردہ ڈال دے اور مجھے معاف فرما دے۔ صحابہ کرامؓ کی گواہی یہ ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو آپؐ کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔

اے اللہ تو پاک ہے، حمد و ثنا تیرے لیے ہے، اے اللہ میرے قصوروں کی مغفرت فرما دے، تو پاک ہے اے ہمارے رب! حمد و ثنا تیرے لیے ہے۔ اے اللہ! ہمیں معاف فرما دے، بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے یہ کلمات کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ
اَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

اے اللہ تو پاک ہے، حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے، میں تجھ سے اپنے قصوروں کی معافی چاہتا ہوں، اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کیسے کلمات ہیں جو آپ نے اب پڑھنا شروع کر دیئے ہیں، فرمایا میرے لیے ایک علامت مقرر کر دی گئی ہے کہ جب میں اُسے دیکھوں تو یہ الفاظ کہا کروں اور وہ علامت ہے "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ"

یہ حقیقت بھی نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے، کہ استغفار کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی ان الفاظ کو بے شعوری اور لاپروائی کے ساتھ زبان کی نوک سے ادا کر لے۔ یہ استغفار نہیں استغفار کا مظاہرہ ہے۔ اصل استغفار یہ ہے، کہ واقعی آدمی پر اپنے قصوروں کی یاد سے لرزہ طاری ہو، وہ اندرونی کیفیت سے بے تاب ہو کر خدا کے حضور گڑگڑائے اور اپنی پوری شخصیت اور دل و دماغ کے ساتھ خدا کے حضور جھک جائے۔

آدمی کسی وقت بھی خطا اور لغزش کے خطرے سے باہر نہیں ہے، شیطان ہر لمحہ اس کی گھات میں ہے، نفس ہر وقت اسے دھوکا دینے کی فکر میں ہے، اور قدم قدم پر اس کے بہکنے اور بھٹکنے کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ ہر وقت خدا کی مدد کا محتاج ہے، اور ضروری ہے کہ ہر وقت اس پر توبہ و استغفار کی کیفیت طاری رہے

اور کسی کا تو ذکر کیا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف تھیں، جو معصوم تھے ...... اور جن کی عظمت

خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ وہ اپنا حال یہ بتاتے ہیں کہ میں دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں، آپ اپنی امت کو توبہ و استغفار کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یَا أَیُّھَا النَّاسُ! تُوْبُوْا إِلَى اللّٰہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ فَإِنِّیْ أَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (مسلم)

اے لوگو! اللہ کی طرف پلٹو اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہو میں دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں۔

خدا ہی سے استعانت اور استغفار کی تلقین اور ترغیب دیتے ہوئے آپ خدا کے بندوں کو خدا کا یہ ارشاد سناتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کہتا ہے۔

"میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے۔ تو تم بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو حرام سمجھو، اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں ہدایت دوں پس مجھ ہی سے ہدایت طلب کرو۔ تو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھانا دوں، پس مجھ ہی سے روزی مانگو۔ میں تمہیں روزی دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے۔ سوائے اس کے جس کو میں پہناتا ہوں، تم مجھ ہی سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات میں اور دن میں گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہ معاف کر سکتا ہوں۔ پس مجھ ہی سے معافی مانگو، میں تمہیں معاف کر دوں گا۔"

حضرت ابو الدرداءؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"جب ذرا آندھی چلتی تو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا جاتے اور گھبرائے ہوئے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے۔"

نضر بن عبداللہ رحمہ کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ کی زندگی میں ایک بار اندھیرا چھا گیا میں حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا دورِ رسالت میں بھی اس طرح کے حادثات پیش آتے ہوں گے صحابہؓ کیا کرتے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: "اللہ کی پناہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعادت میں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہوتی اور ہم لوگ قیامت کے خوف سے لرز کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔"

میدانِ بدر میں جب کفر و اسلام کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئیں تو رحمتِ عالمؐ نے اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی، ایک طرف بے سر و سامان تھے تین سو تیرہ جوان ہیں، جن کے پاس نہ ضرورت کے مطابق ہتھیار ہیں، اور نہ سواریاں دوسری طرف ایک ہزار مسلح سپاہی ہیں جن میں چھ سو زرہ پوش جوان ہیں، ایک سو سے زائد سوار، سامانِ جنگ کی بھی فراوانی ہے اور اونٹوں کی بھی ———— خدا کے رسولؐ کا دل بھر آیا، آنکھیں بھیگ گئیں، آپؐ پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر آپؐ اپنے رب سے مدد کی دعائیں فرما رہے تھے، آپؐ فرما رہے تھے۔

"الٰہی یہ قریش ہیں کبر و غرور کے نشہ میں سرشار، یہ اس لیے میدانِ جنگ میں اتر رہے ہیں کہ تیرے بندوں کو تیری بندگی سے روک دیں، اور تیرے رسولؐ کو جھٹلائیں۔ پس اے پروردگار! تو نے مجھ سے جو وعدہ کر رکھا ہے اسے پورا کر اور کل کی صبح ان کے لیے ہلاکت لے کر آ جائے۔"

آپؐ پر محویت اور رقت کی عجیب کیفیت طاری تھی ——— بے خودی

کے عالم میں چادر آپ کے شانوں سے بار بار نیچے گر پڑتی تھی، پھر بے تابی کے عالم میں آپ خدا کے حضور سجدے میں پڑ جاتے اور کہتے "اے اللہ! اگر یہ چند جانیں آج ختم ہو گئیں تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔"

اسی دوران دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے، کفار نے انہیں گھیر لیا۔ اور کہا، تم محمدؐ کی مدد کو جا رہے ہو، انہوں نے صحیح بات بتائی اور وعدہ کیا کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں گے، جب وہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، اپنا واقعہ بیان کیا تو اس نازک ترین موقع پر جب کہ اسلامی فوج میں ایک شخص کے بڑھنے کی بھی بڑی اہمیت تھی، آپ نے ذرا پروا نہ کی اور فرمایا "ہم ہر حال میں اپنا وعدہ پورا کریں گے، ہمیں صرف اپنے خدا کی مدد درکار ہے۔"

ذرا میدان عرفات کا تصور کیجئے، ایک لاکھ چالیس ہزار انسانوں کا ہجوم ہے، پوری فضا لبیک کی دلنواز صداؤں سے گونج رہی ہے ۲۳ سال کی بے مثال قربانیوں اور محنتوں کا عظیم ثمرہ نگاہوں کے سامنے ہے مگر داعیٔ اعظم انسانوں کے اس جنگل میں احرام باندھے، عجز و نیاز کی تصویر بنے ننگے سر کھڑے ہیں، نہ اپنی کامیابی اور عظمت کا غرہ ہے، نہ فخر و نمود کا اظہار ہے بلکہ اپنی بے کسی اور لغزشوں کا احساس ہے، خدا کی عظمت و جلال کی ہیبت ہے، اور دل کی اسی ایمانی کیفیت کا اظہار وہ دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر کر رہے ہیں، خدا سے استعانت اور استغفار اور اپنی درماندگی اور فقر و عجز کا اظہار ایسے کلمات میں ہے جن کی مثال انسانی ادب کے پورے ذخیرے میں ملنا محال ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَىٰ مَكَانِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي لَا يَخْفَىٰ عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِي

وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ، اَلْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ
اَلْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ
اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِیْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَیْكَ
اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ، وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ
الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ، دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ
رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ
وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِكَ
شَقِیًّا وَّكُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا، یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ۔

اے اللہ تو میری بات کو سن رہا ہے، میری جگہ تیری
نظر میں ہے، میرے بھید پوشیدہ اور ظاہر سے تو واقف ہے،
تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت کا مارا
ہوں، محتاج ہوں تیرے حضور فریادی ہوں، تیری پناہ کا
طالب ہوں، پریشان حال ہوں، تیری ہیبت سے ہراساں
ہوں، اپنے گناہوں کا اقراری ہوں، مجھے اپنی لغزشوں کا
اعتراف ہے، تیرے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں،
جیسے بے کس سوال کرتا ہے، تیرے آگے گڑگڑا رہا ہوں
جیسے خطاکار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے مانگ رہا
ہوں جس طرح ایک خوفزدہ مصیبت کا مارا مانگتا ہے، جس
طرح وہ شخص مانگتا ہے جس کی گردن تیرے حضور جھکی ہوئی
ہو، اور اس کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگی ہوئی ہو، اور
جسم و جان سے وہ تیرے حضور فروتنی کیے ہوئے ہو اور
عاجزی سے تیرے سامنے اپنی ناک رگڑ رہا ہو، اے اللہ!
تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام و نامراد نہ رکھ! اور میرے

حق میں بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا بن جا۔ اے سب مانگے جانوں والوں میں سب سے بہتر! اے سب دینے والوں میں سب سے اچھے۔

دعوتِ دین کی راہ میں بے لوث خدمت کرتے ہوئے جب آپ دیکھیں کہ آپ کی طرف لوگوں کا رجوع بڑھ رہا ہے، اسلام کا پیغام قبول کیا جا رہا ہے، دین کے لیے دل کھل رہے ہیں اور آپ کی دعوت کامیاب ہو رہی ہے، تو اپنی لغزشوں کوتاہیوں، اور گناہوں کا احساس کیجیے، خدا کی عظمت و ہیبت سے لرز جائیے۔ اور اپنی بے بسی، درماندگی اور عاجزی کا اظہار دُعا کے انہی الفاظ میں کیجیے، دل کی گہرائی سے خدا کے حضور اپنی فریاد رکھیے گڑگڑائیے اور ان کیفیات کو تازہ کر کے خدا سے استعانت اور استغفار کیجیے جن کیفیات کے ساتھ داعیٔ اعظم ؐ نے خدا کے حضور اپنے دل کی ترجمانی کی تھی —— داعیٔ اعظم ؐ کی اس بے مثال دُعا کے الفاظ دُہراتے ہوئے آج بھی آپ کا دل بھر آئے گا۔ جذبات اُمنڈ آئیں گے آنکھیں اشکبار ہو جائیں گی۔ خدا کی عظمت اور اس کے جلال و جبروت سے آپ کا دل لرز اُٹھے گا اور آپ کے اندر اپنے عجز و فقر، احتیاج و درماندگی، بے کسی اور بے مائگی کا وہ پاکیزہ احساس اُبھرے گا جو خدا کی نظر میں آپ کو انتہائی بلندی اور عظمت بخشے گا۔

باب سوم

مثالی کردار

- آپ رشتہ داروں کے حق ادا کرتے ہیں
- ہمیشہ سچ بولتے ہیں
- بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرتے ہیں
- معذوروں اور بے کسوں کا ساتھ دیتے ہیں
- مہمانوں کی عزت و خاطر کرتے ہیں
- آپ کو خدا ہرگز رسوا نہ کرے گا
- اور مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں

وفا شعار بیوی نے خاتم النبیین کو تسلی

دیتے ہوئے کہا۔

(بخاری ج ۱ عن عائشہ رضہ)

دلآویز شخصیت کی عظمت کا راز

داعیٔ اعظم کی دلآویز شخصیت کی عظمت کا اصل راز یہ ہے کہ آپؐ کے قول وعمل میں کوئی فاصلہ نہ تھا۔ آپ اپنی تعلیمات کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے، جو دوسروں کو بتاتے اسے خود کر کے دکھاتے، بلکہ عمل کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ پیش فرماتے کہ آپ کے فداکار دل وجان سے آپؐ کے عمل کی نقل کرنے کے باوجود پیروی کا حق ادا نہ کر پاتے۔ قول و عمل کی یہ بے مثال مطابقت ہی تھی کہ آپؐ سے جو جتنا زیادہ قریب ہوتا اتنا ہی زیادہ گرویدہ ہو جاتا۔

آپؐ انسانوں ہی میں پیدا کیے گئے، انسانوں ہی کی طرح پیدا کیے گئے —— اور انسانوں ہی میں آپؐ نے پوری زندگی کے شب و روز گزارے۔ آپؐ باپ بھی تھے، بیٹے بھی، بھائی بھی تھے، شوہر بھی تھے، اور ساتھی بھی، خسر بھی تھے اور داماد بھی، عمر میں چھوٹے بھی تھے، اور بزرگ بھی، رفیقِ سفر بھی تھے، اور تجارت کے شریک بھی، آقا و مولیٰ بھی تھے، اور محنت کش بھی، مگر آپؐ کی شخصیت اس قدر کامل اور جامع تھی کہ کسی ایک آنکھ نے بھی کبھی کردار کے کسی رُخ میں کوئی جھول محسوس نہیں کیا۔ آپؐ انسانیت کے لیے اسوۂ کامل تھے اور کردار کے ہر رُخ میں اسوۂ کامل تھے۔ تعلقات، معاملات اور خاندان و سماج میں مختلف حیثیتوں سے آپؐ کے تابناک کردار کا ہر رُخ سامنے آیا،

اور جس رُخ پر بھی نگاہ پڑی دل نے یہی کہا۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

کردار کی ہیبت

قبیلہ اراش کا ایک شخص مکے میں اپنے اونٹ بیچنے کے لیے لایا ابوجہل نے اس سے سارے اونٹوں کا سودا کر لیا۔ اونٹ قبضہ میں کرنے کے بعد ابوجہل نے قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول شروع کر دی، اراشی کئی روز مکے میں ٹھہرا رہا، مگر ابوجہل برابر حیلے بہانے کرتا رہا۔ جب اراشی تنگ آ گیا تو اس نے ایک روز حرم کعبہ میں پہنچ کر قریش کے سرداروں کو اپنی بپتا سنائی اور فریاد کی کہ میری رقم ابوجہل سے دلوا دو ــــ میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں، خدا را میری مدد کرو۔

اتفاق کی بات جس وقت وہ قریش کے سرداروں سے فریاد کر رہا تھا خدا کے رسولؐ بھی حرم کعبہ کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے، ــــ سردارانِ قریش کو مذاق سوجھا، اور بولے، بھائی اس معاملہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے، ہاں دیکھو، حرم کعبہ کے اس گوشے میں وہ جو ایک صاحب بیٹھے ہیں بڑے با اثر ہیں ان کے پاس جاؤ۔ اور ان کے سامنے اپنا مقدمہ رکھو، وہ ضرور تمہاری رقم دلوا دیں گے۔

ــــــــ سردارانِ قریش نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیئے کہ اب مزہ آئے گا۔ وہ ابوجہل کو محمدؐ سے الجھا کر لطف لینے کے خواہش مند تھے، مظلوم اراشی اپنی فریاد لے کر اللہ کے رسولؐ کے پاس گیا، آپ کو سارا ماجرا سنایا اور درخواست کی کہ ابوجہل سے میری رقم دلوا دیجیے، یہ ظالم کئی روز سے ٹال مٹول کر رہا ہے اور میں یہاں بے یار و مددگار ہوں، کوئی نہیں جو میرا ساتھ دے سکے۔

خدا کے رسولؐ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اراشی کے ساتھ سیدھے ابوجہل کے مکان پر پہنچے۔ باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل نے اندر سے پوچھا، کون؟ آپ نے فرمایا محمدؐ۔

ابوجہل حیران ہوکر باہر نکل آیا۔ اور خدا کے رسولؐ کو دیکھ کر اس کا رنگ فق ہوگیا آپ نے رُعب دار آواز میں کہا، تم نے اس اراشی سے اونٹ خریدے ہیں، فوراً اونٹوں کی رقم لاکر اس شخص کو دے دو۔"

ابوجہل کچھ کہے بغیر سیدھا گھر میں گیا، اور رقم لاکر خاموشی کے ساتھ اراشی کے ہاتھ پر رکھ دی۔

قریش کے سرداروں نے اراشی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کر کے ایک آدمی پیچھے پیچھے بھیج دیا تھا کہ جو کچھ گزرے وہ اس کی خبر ان کو لاکر دے ——— قریش کے اس مُخبر نے یہ ساری روداد سرداران قریش کو آکر سُنائی۔ اس نے بتایا کہ آج میں نے وہ عجیب معاملہ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ——— ابوجہل گھر سے باہر نکلا، تو محمدؐ کو دیکھ کر اس کا رنگ اُڑ گیا۔ اور جب محمدؐ نے اس سے کہا کہ اس اراشی کی رقم لاکر دے دو۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابوجہل کے جسم میں جان ہی نہیں ہے ——— وہ بغیر کچھ کہے خاموش گھر کے اندر گیا اور رقم لاکر اس شخص کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ———

قریش کے سرداروں کو حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ انہوں نے ابوجہل کو بہت ملامت کی کہ بڑا بزدل نکلا ابوجہل نے کہا کم بختو تمہیں کیا بتاؤں کہ مجھ پر کیا گزری جس وقت اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سُنی تو اس کی ہیبت اور رعب سے میری کچھ ایسی حالت ہوگئی جیسے کوئی بے جان پُتلا ہو۔ اور بے اختیار لرزتے کانپتے میں نے وہ سب کچھ کیا، جس کی تمہیں خبر لانے والے نے خبر دی۔

محسن آقا

آٹھ سال کے ایک معصوم بچے کو اس کی ماں سُعدیٰ اپنے میکے لے کر گئیں، سُعدیٰ قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن کے لڑکے ثعلبہ کی بیٹی تھیں، جن کی شادی قبیلۂ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شرحبیل سے ہوئی تھی۔ سُعدیٰ اپنے پیارے بیٹے کو اپنے میکے لے کر گئیں تو وہاں ایک انتہائی قیامت خیز حادثہ پیش آیا۔ قبیلہ بن قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر دھاوا بول دیا۔ سب کچھ لوٹ کر لے گئے یہ ظالم جن لوگوں کو پکڑ کر لے گئے ان میں سُعدیٰ کا پیارا بچہ "زید" بھی تھا۔

ان دنوں طائف کے قریب عکاظ کا میلہ لگتا تھا جس میں ہر طرح کی ضرورت کا سامان بکتا تھا، اسی میلے میں یہ لوگ زید کو بیچنے کے لیے لے کر پہنچے۔ اور حکیم بن حزام نے بچے کو خرید لیا، حکیم بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے، حکیم بن حزام کو بچہ بہت پسند آیا، وہ اسے لے کر اپنی پھوپھی کے پاس پہنچے اور اپنی پھوپھی کی خدمت میں اسے نذر کر دیا ——— کچھ ہی عرصے کے بعد حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیارے بچے کو حضرت خدیجہؓ کے یہاں دیکھا تو اس کی عادات و اطوار آپ کو بہت پسند آئیں اور آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے اس بچے کو مانگ لیا۔

حضرت زید کی قسمت کھل گئی ——— اور وہ سرورِ کائنات کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر صرف پندرہ سال تھی، اس کے چند سال بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ حضرت زید آپؐ کی خدمت میں رہتے رہے اور اُن کی یہ

خدمت گزاری اور غلامی رنگ لائی۔ تاریخ کی کتابوں میں ان کو محبوب رسولؐ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور حضور کی معیت اور سرپرستی میں سب سے بڑی سعادت جو حضرت زید کو ملی وہ یہ کہ خدا نے اپنی آسمانی کتاب میں ان کا ذکر فرمایا ہزاروں سال سے کروڑوں انسان ان کے نام کی تلاوت کر رہے ہیں اور رہتی دنیا تک اسی طرح نہ جانے کتنے انسان کرتے رہیں گے۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا۔

پھر جب زید نے ان سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے ان (مطلقہ خاتون) کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

دن گزرتے رہے اور زید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے رہے، ادھر ان کے والدین کو پتہ چلا کہ ان کا جگر گوشہ مکے میں ہے زید کے والد حارثہ اور چچا کعب تلاش میں نکلے اور تلاش کرتے کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔

حارثہ:- آپ انتہائی کریم اور شریف انسان ہیں، ہمارے بچے کو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ اس کی جدائی کے صدمے سے اس کی ماں کا برا حال ہے، اور ہمارا سکون بھی جاتا رہا ہے آپؐ جو فدیہ فرمائیں گے حاضر ہے، مگر بچے کو ہمارے ساتھ کر دیں۔

کعب:- آپؐ کے اخلاق کریمانہ سے ہمیں پوری طرح توقع ہے کہ آپؐ ہمارے بچے کو ضرور ہمارے حوالے کر دیں گے، اس کے بدلے میں آپؐ جو فدیہ چاہیں گے وہ ہم بلا تامل آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔

حضرت محمدؐ:- بے شک اپنے جگر گوشے کی جدائی تمہارے لیے

بہت شاق ہو گی اور اس کی ماں بھی اس کے غم میں بے قرار ہو گی ——

میں زید کو بلاتا ہوں، میری طرف سے بالکل اجازت ہے اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو میں ہرگز کوئی فدیہ نہ لوں گا۔ تمہارا بچہ ہے، تم اُسے بالکل لے جا سکتے ہو، ہاں اگر وہ میرے پاس رہنا ہی پسند کرے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہو میں خواہ مخواہ اسے نکال دوں۔

حضرت محمدؐ کی یہ بات سُن کر کعب اور حارثہ بہت خوش ہوئے اور بولے آپؐ نے تو یہ انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے۔ بے شک آپؐ زید کو بلایئے اور اس سے معلوم کر لیجیے۔

زید کے والد حارثہ اور چچا کعب بجا طور پر یہ خیال کرتے تھے کہ زید جونہی انہیں دیکھے گا۔ ان سے لپٹ جائے گا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اتنے دنوں کی غلامانہ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ آزاد ہو کر اپنے ماں باپ اور اپنے گھر کے لوگوں کے پاس پہنچنے کے لیے بے تاب ہو جائے گا۔

زید بلائے گئے ——— حضورؐ نے زید سے کہا، تم ان دونوں کو جانتے ہو؟ زید! جی ہاں۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

حضرت محمدؐ! اچھا تم ان دونوں کو بھی جانتے ہو اور مجھ سے بھی واقف ہو، میری طرف سے تمہیں پوری آزادی ہے تم چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو۔

مگر یہ کسی عام انسان کے الفاظ نہیں تھے، خدا کے رسولؐ کے الفاظ تھے، حضرت زید اس عظیم ہستی کی غلامی میں تھے، جن کی غلامی کے مقابلے میں دنیا جہان کی بادشاہی ہیچ ہے۔

زید نے ایک نظر باپ اور چچا پر ڈالی اور حضورؐ کی طرف دیکھتے

ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"میں تو آپ کو چھوڑ کر اب کہیں نہیں جا سکتا"

حارث اور کعب نے خلاف توقع بیٹے کی طرف سے یہ بات سُنی تو کہا زید! کیا ہم تمہارے باپ اور چچا نہیں ہیں، کیا تم آزادی کے مقابلے میں غلامی کی زندگی پسند کرتے ہو! اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتے ہو؟

زید کا دل دھڑکنے لگا آنسو جاری ہو گئے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"ابا جان بے شک آپ میرے والد ہیں۔ بے شک یہ میرے چچا ہیں۔ بے شک میری ماں بھی مجھے یاد کر رہی ہو گی۔ لیکن میں جتا نہیں سکتا کہ میں نے کیا چیز دیکھی ہے اپنے آقا کے جو اوصاف میں نے دیکھے ہیں، اب مجھے تا زیست ان کی غلامی ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اب میں دنیا میں کسی کو بھی اپنے محسن آقا پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

زید کا یہ جواب سُن کر حارثہ اور کعب نے کہا، زید اگر ایسی بات ہے تو ہم خوشی سے تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ تم یہیں رہو۔ تمہاری خوشی ہمارے لیے سب کچھ ہے۔

حضورؐ نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا، اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع میں اعلان فرمایا، "آپ لوگ گواہ رہیں آج سے زید میرا بیٹا ہے، میں نے زید کو منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے،" حارثہ اور کعب حیران تھے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں، یہ کوئی خواب ہے، یا واقعی زمین پر کوئی عظیم فرشتہ اتر آیا ہے اور اس کے بعد قریش کے لوگ زید کو زید بن محمدؐ کے نام سے یاد کرنے لگے۔

یہ وہی زید ہیں کہ جب حضورؐ نبوت سے سرفراز فرمائے گئے۔۔۔

تو سب سے پہلے ایمان لائے ——— حضورؐ کو ان سے کتنا لگاؤ تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت عمرؓ اپنے دور میں جب حضرت اُسامہ کا وظیفہ مقرر کرنے لگے تو اپنے بیٹے کا وظیفہ ڈھائی ہزار مقرر کیا اور حضرت اُسامہ کا تین ہزار اور جب حضرت عبداللہ نے شکایت کی تو فرمایا ——— "عبداللہ! اُسامہ کے والد تمہارے والد سے زیادہ حضورؐ کی نظر میں محبوب تھے، اور اُسامہ خود تم سے زیادہ رسولؐ کی نظر میں محبوب تھے۔"

یتیموں کا والی

مدینے کی گلیوں میں ہر طرف چہل پہل ہے، مسلمان، بوڑھے، جوان اور ہوشیار بچے صاف ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے عیدگاہ جا رہے ہیں۔ مدینے کی گزرگاہیں اور راستے تکبیر و تہلیل کی صداؤں سے گونج رہی ہیں ——— ایک راستے سے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی عید کی نماز پڑھنے کے لیے عیدگاہ کی طرف ذرا تیز تیز جا رہے ہیں ——— چلتے چلتے ایک جگہ بے اختیار آپؐ رک جاتے ہیں، مدینے کے کچھ بچے بڑی بے فکری سے اچھے اچھے کپڑے پہنے خوش خوش کھیل رہے ہیں کچھ فاصلے پر ایک طرف کو ایک بچہ سب سے الگ افسردہ اور غمگین بیٹھا ہے، میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے کھیلنے والے بچوں کو بڑی حسرت کے ساتھ دیکھ رہا ہے ——— خدا کے رسولؐ اس مصیبت زدہ لڑکے کے پاس پہنچے۔ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا:۔

"بیٹے تم نہیں کھیلتے؟ تم نے کپڑے نہیں بدلے؟ بیٹے تم اتنے غمگین اور افسردہ کیوں ہو؟

بچے نے سر اٹھا کر دیکھا اور جلد نگاہیں نیچی کر لیں۔ ہمدردی اور پیار کا برتاؤ دیکھ کر بے اختیار بچے کے آنسو بہنے لگے ——— مگر اس نے ضبط کیا اور ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں ——— بچے نے لمبی سانس لی اور پھر بولا میری قسمت میں خوشی اور کھیل کہاں؟ میں تو غم کھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں" اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

بچے کو روتا دیکھ کر رحمتِ عالم کا دل بھی بھر آیا۔ آپؐ کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔ لڑکے کو گلے سے چمٹا لیا اور فرمایا ———

"بیٹے بتاؤ تو سہی تمہیں کیا دکھ پہنچا ہے۔ تم پر کیا مصیبت آ پڑی ہے؟ آخر تم اتنے افسردہ کیوں ہو؟"

آپ میری مصیبت کی داستان سن کر کیا کریں گے؟ ——— میں ایک یتیم بچہ ہوں۔ میرے باپ نہیں ہیں ——— اور میری ماں ۔۔۔ یہ کہتے ہوئے بچے کی آواز حلق میں گھٹنے لگی اور وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔

خدا کے رسولؐ نے بچے کو اپنے سے کچھ اور قریب کر لیا، پھر پیار سے بولے "بیٹے! تمہارے ماں باپ کا انتقال کب ہوا؟" اور تم کہاں رہتے ہو؟"

میرے باپ ایک جنگ میں خدا کے دشمنوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے میری ماں خدا کا شکر ہے زندہ ہیں لیکن انہوں نے دوسری شادی کر لی ہے اور میرے باپ کا چھوڑا ہوا سامان لے کر اپنے نئے گھر چلی گئیں، اور میں بھی خوشی خوشی اپنی ماں کے ساتھ گیا۔ مگر کچھ ہی دن وہاں رہا تھا کہ میرے دوسرے باپ مجھ سے خوش نہ رہ سکے اور مجھے گھر سے نکال دیا۔ اب نہ میرا کوئی گھر در ہے اور نہ کوئی ولی اور سرپرست، ——— اب مجھ پر ترس کھانے والا کوئی نہیں ——— میرا کوئی بھی تو

نہیں رہے ،، لڑکے کی ہچکی بندھ گئی ، میری اتی بھی تو کچھ نہیں کرتیں ——
انھیں تو مجھ سے بڑا پیار تھا مگر وہ مجبور ہیں ان کے بس میں کیا ہے ، وہ
اب کچھ نہیں کر سکتیں۔

بچے کا حال سن کر اور اُسے اس طرح زار و قطار روتے دیکھ کر رحمت
عالمؐ کی آنکھیں بھی بے اختیار بہہ پڑیں —— کچھ دیر آپؐ یونہی کھڑے آنسو
بہاتے رہے۔ اور یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر اپنی حالت پر قابو
پانے کی کوشش فرماتے رہے۔ پھر نہایت پیار و محبت کے ساتھ اس
بچے سے کہا :

"بیٹے کیا تم یہ پسند کرو گے کہ محمدؐ تمہارے باپ ہوں ، عائشہؓ تمہاری
ماں ہوں ، فاطمہؓ تمہاری بہن ہوں اور حسنؓ و حسینؓ تمہارے بھائی ہوں۔

محمدؐ اور فاطمہؓ کا نام سن کر بچہ سنبھلا ، اس نے حیرت اور عقیدت
سے آپؐ کے نورانی چہرے کو دیکھا اور پھر نہایت احترام سے نگاہیں
نیچی کر لیں۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر انتہائی عاجزی اور ادب سے بولا۔

"یا رسولؐ اللہ مجھے معاف فرمایئے —— میں آپؐ کو پہچان نہ سکا۔
اور پہلی بار میں نے بڑی لاپروائی سے آپؐ کو جواب دیا۔

"نہیں بیٹے کوئی بات نہیں ، خدا کے رسولؐ نے بچے کو تسلی دی۔

"یا رسولؐ اللہ ! میرے ماں باپ ہزار بار قربان ہیں خدا کے رسولؐ پر
حضرت عائشہؓ سے اچھی ماں کہاں ملیں گی۔ حضرت فاطمہؓ سے اچھی بہن
اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے اچھے بھائی کہاں میسر آئیں گے ——
مجھ سے زیادہ خوش نصیب اور کون ہوگا کہ مجھے خدا کے رسولؐ کا خاندان
مل رہا ہے —— یا رسولؐ اللہ میں دل و جان سے آپؐ کی خدمت
کروں گا ، کبھی آپؐ کو ذرا دکھ نہ دوں گا۔ لڑکا کہتا رہا۔ اور اس کی آنکھوں میں
خوشی کے آنسو تیرتے رہے۔

یتیموں کے والیؐ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا ـــــــ اُسے اپنے گھر لے گئے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا لو عائشہ! خدا نے عید کے دن تمہیں ایک بیٹا دیا ہے ـــــــ لو اپنے بیٹے کو نہلاؤ دھلاؤ کپڑے پہناؤ اسے کچھ کھلاؤ۔ اور حضرت عائشہؓ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

یہ لڑکا آخر وقت تک خدا کے رسولؐ کی خدمت میں رہا آخر رسولِ خدا کی رخصت کا وقت آپہنچا اور آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو اس لڑکے کا بُرا حال تھا، اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی وہ غم سے نڈھال تھا اور کہتا تھا کہ آج میں یتیم ہو گیا صدیق اکبرؓ نے لڑکے کی یہ کیفیت دیکھی تو ان پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ پیار سے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا آج سے تم ہمارے ساتھ رہو گے ـــــــ اور پھر یہ لڑکا ابوبکر صدیقؓ کی سرپرستی میں آپہنچ گیا۔

(نوادرات۔ از شہاب الدین قلیوبی)

یتیم کا غمخوار

غم کا مارا ایک بچہ رحمتِ عالمؐ کے دربار میں پہنچا اور فریاد کرنے لگا اس نے کہا، یا رسول اللہ! فلاں شخص نے زبردستی میرے کھجوروں کے باغ پر قبضہ کر لیا ہے اور مجھے کچھ نہیں دیتا۔

بچے کی فریاد سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس شخص کو دربارِ رسالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا، تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص حاضر ہوا۔ اور دربارِ رسالت میں دونوں نے اپنا اپنا مقدمہ پیش کیا۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غور سے دونوں کے بیانات سُنے اور ہر طرح اطمینان کر لینے کے بعد آپؐ نے اپنا فیصلہ سُنا دیا۔

رسولؐ کا فیصلہ یتیم بچے کے خلاف تھا۔ اپنے خلاف فیصلہ سُن کر یتیم بچہ رونے لگا ـــــــ مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ یتیم بچے کو روتا دیکھ کر خدا

کے رسول ؐ کا دل بھر آیا اور آپؐ بھی رونے لگے، پھر آپؐ نے اس شخص سے کہا بھائی واقعی باغ کا فیصلہ تو تمہارے ہی حق میں ہوا ہے اور باغ تمہارا ہی ہے ——— لیکن کیا اچھا ہو اگر تم اپنا وہ باغ اس یتیم بچے کو ہبہ کردو ——— خدا تمہیں اس کے بدلے جنت میں سدا بہار باغ عطا فرمائے گا۔

اس وقت دربار رسالت میں حضرت ابو الدحداحؓ بھی تشریف رکھتے تھے وہ فوراً اٹھے اور اس شخص کو خاموشی سے ایک طرف لیجا کر اس سے کہا۔

"اگر میں تمہیں اس باغ کے بدلے اپنا فلاں باغ دے دوں تو تم اپنا باغ میرے حوالے کردو گے؟

"کیوں نہیں!" ——— وہ شخص فوراً راضی ہوگیا ——— اس لیے کہ ابو الدحداحؓ کا باغ اس کے باغ سے کہیں زیادہ اچھا اور قیمتی تھا۔

اب ابو الدحداحؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے اور بولے یا رسول اللہ میں آپؐ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے اور فرمایا پوچھو ابو الدحداحؓ! ابو الدحداحؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ جو باغ اس یتیم بچے کو دلوانا چاہتے تھے، اگر وہ باغ میں اسے دے دوں تو مجھے اس کے بدلے جنت میں باغ ملے گا!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اور مسکراتے ہوئے آپؐ نے یقین میں ڈوبی ہوئی بلند آواز سے کہا، ہاں ہاں ضرور ملے گا۔

ابو الدحداحؓ خوشی سے جھوم اٹھے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے وہ باغ اپنے ایک باغ کے بدلے اس شخص سے لے لیا ہے اور اب میں وہ باغ اس یتیم بچے کو دے رہا ہوں خدا کے رسول! آپؐ گواہ رہیں

کہ میں نے صرف خدا کی رضا کے لیے ایسا کیا ہے۔

یتیم بچے کا کملایا ہوا چہرہ کھل اٹھا۔ اور یتیم کے غم خوار خدا کے رسولؐ کے چہرے پر بھی خوشی کی چمک دوڑ گئی ——— اور ابوالدحداحؓ جنت کے باغ کا سودا کر کے خوشی سے سرشار دربارِ رسالت سے واپس ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

جامع اور دلکش شخصیت

حضرت حسنؓ نے ایک دن اپنے والد حضرت علیؓ سے پوچھا۔

ابا جان! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و کردار اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا۔

حضرت علیؓ نے جوشِ عقیدت سے اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

"آپ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ آپ کے اخلاق و برتاؤ میں انتہائی نرمی تھی، سہولت کی زندگی بسر کرنے والے تھے آپ نہ سخت مزاج تھے اور نہ بدخو، نہ کبھی بیہودہ بات زبان سے نکالتے اور نہ کبھی کسی کی عیب جوئی کرتے، کوئی چیز پسند نہ ہوتی تو اس سے بے پروائی برتتے، نہ اس کی برائی بیان کرتے، نہ رغبت کا اظہار فرماتے۔ ——— تین چیزوں سے آپؐ نے ہمیشہ اپنی ذات کو محفوظ رکھا، ● کبر و غرور سے ● مال و دولت جمع کرنے سے ● فضول اور لایعنی باتوں سے ——— اسی طرح تین چیزوں سے آپؐ نے دوسروں کو محفوظ رکھا ● کبھی کسی کی مذمت نہ کی کبھی کی تحقیر کی ● کسی کو عیب لگا کر شرمندہ نہیں کیا ● کبھی کسی کے پوشیدہ عیوب کی کرید نہیں کی ——— آپؐ صرف وہی بات کرتے جس پر خدا سے اجر و ثواب کی توقع ہوتی۔

مجلس میں جب آپؐ کچھ ارشاد فرماتے تو لوگ اس طرح خاموشی،

ادب اور توجہ کے ساتھ سنتے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپؐ جب تک بولتے سب یکسوئی اور توجہ سے سنتے کوئی بیچ میں آپؐ کی بات کاٹ کر نہ بولتا۔ جب آپؐ خاموش ہو جاتے تو لوگ اپنی بات کہتے، اگر کبھی کوئی اجنبی بدو آپؐ سے سوال کرنے یا کچھ کہنے میں بے ادبی کر بیٹھتا تو آپؐ صبر و تحمل سے کام لیتے، کبھی غصے کا اظہار نہ فرماتے، لوگ ناگواری کا اظہار کر کے اسے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتے تو آپؐ اسے گوارا نہ کرتے اور فرماتے، جب کوئی ضرورت مند تمہارے سامنے اپنی حاجت رکھے تو اسے مایوس نہ کرو۔ جہاں تک ہو سکے اس کی حاجت پوری کرو۔ ورنہ نرمی سے صبر شکر کی تلقین کرو۔ اپنی تعریف سے کبھی خوش نہ ہوتے، ہاں اگر کبھی کسی کے جواب میں آپؐ کی طرف سے کوئی بات کہہ دی جاتی یا کسی غلط فہمی اور زیادتی کی تلافی کے لیے آپؐ کی شان میں کوئی کلمۂ خیر کہہ دیا جاتا تو اسے گوارا کر لیتے، کسی کی بات کاٹ کر آپؐ کبھی اپنی بات نہ کہتے، آپؐ کی شخصیت حلم و صبر کی جامع تھی —— اپنی ذات کے لیے نہ کبھی آپؐ غضبناک ہوتے، اور نہ کبھی نفرت و بیزاری کا اظہار فرماتے۔ ہاں اگر کوئی دین کے معاملے میں سرکشی کرتا، یا کسی کا حق دبا تا تو آپؐ کا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا نہ ہوتا جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی۔

چار چیزوں میں آپؐ انتہائی چاق و چوبند تھے، ان میں کبھی سستی نہ دکھاتے، ● نیکی اور بھلائی اختیار کرنے میں ● برائی اور بدی ترک کرنے میں ● اُمت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں غور و فکر کرنے میں ● اور ان امور کو اختیار کرنے میں جو امت کی دنیا و آخرت کو سنوارنے والے ہوں۔

بے مثال مخدوم

حضرت انس رضؓ ابھی دس سال کے بے شعور بچے ہی تھے کہ ان کی والدہ حضرت اُمّ سلیمؓ ان کو سرورِ کونینؐ کی خدمت کے لیے ان کے سپرد کر آئیں۔ حضرت انسؓ اس لااُبالی کی عمر سے برابر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، اور شب و روز ہر طرح کے حالات میں آپؐ کی خدمت بجا لاتے رہے۔

حضرت انسؓ سے کام میں کوتاہیاں بھی ہوتیں، بہت سے کام بننے کے بجائے بگڑ بھی جاتے۔ اور اس کچی عمر میں لااُبالی کا اظہار بھی ہوجاتا مگر حیرت ہے کہ دس سال کی طویل مدت میں سخت سست کہنا تو در کنار پیکرِ عفو و کرمؐ نے کبھی زبان سے اُف تک بھی نہیں کہا ——— حضرت انسؓ کا بیان ہے۔

"میں نے مسلسل دس سال رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے۔ اس طویل مدت میں کبھی ایک بار بھی میں نے یہ نہیں دیکھا کہ آپؐ نے مجلس کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کی طرف اپنے پاؤں پھیلائے ہوں، نہ کبھی یہ دیکھا کہ کسی نے آپؐ سے مصافحہ کیا ہو، اور آپؐ نے پہلے اپنے ہاتھ کھینچ لیے ہوں، آپؐ برابر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیئے رہتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا۔

میں نے کبھی یہ بھی نہیں دیکھا کہ کوئی شخص آپؐ سے ملنے کے لیے آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو، اور آپؐ اس کے پاس سے خود کبھی ہٹ گئے ہوں، آپؐ برابر کھڑے رہتے جب تک کہ وہ شخص خود ہی نہ ہٹ جاتا۔

اور میں نے جو کام بھی کیا ٹھیک ہو گیا ہو یا خراب، کبھی حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا اور ایسا کیوں کیا، نہ کبھی یہ فرمایا کہ ایسا اور ایسا کیوں نہیں کیا۔

میں نے بارہا عطر سونگھا ہے اور اچھے سے اچھا عطر سونگھا ہے، مگر آج تک میں نے رسولؐ کی خوشبو سے بہتر خوشبو نہیں سونگھی۔"

اور آج تک میں نے کبھی یہ بھی نہیں دیکھا کہ کسی نے سرگوشی کے لیے آپؐ کی طرف سر جھکایا ہو، اور اس شخص کے سر ہٹانے سے پہلے خدا کے رسولؐ نے کبھی اپنا سر اٹھایا ہو۔"

مثالی شوہر

ایک دن حضرت عائشہ روٹھ گئیں، کسی گھریلو اونچی بات پر شوہر سے اختلاف ہو گیا۔ جذبات ذرا تلخ ہو گئے۔ خدا کے رسول صبر و تحمل سے کام لیتے رہے لیکن حضرت عائشہ رض کی آواز ذرا بلند ہو گئی حضورؐ مسکرا مسکرا کر بات سمجھاتے رہے، لیکن حضرت عائشہ رض اسی طرح زور زور سے بولتی رہیں، اتفاق دیکھئے اسی وقت حضرت عائشہ رض کے والد حضرت ابو بکر رض آ گئے۔

میاں بیوی میں اختلاف دیکھ کر قدرتی طور پر بہت غمزدہ ہوئے، ایک طرف خدا کے رسولؐ ہیں جن کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے، اور دوسری طرف اپنی جگر گوشہ عائشہ رض ہیں ——— باپ کے سامنے بھی حضرت عائشہ رض کی آواز اسی طرح اونچی رہی ابو بکر رض برداشت نہ کر سکے، "بائیں! تم خدا کے رسولؐ سے یہ منہ زوری کر رہی ہو تمہاری

جرأت اب اتنی بڑھ گئی! غصے میں اُٹھے اور ہاتھ اٹھا کر مارنا ہی چاہتے تھے کہ درمیان میں فخرِ کائنات آ گئے ـــــ حضرت عائشہ رض سہم کر بیٹھ گئیں۔ حضرت ابوبکر رض غصے میں باہر چلے گئے۔

خدا کے رسول ؐ کب برداشت کر سکتے تھے کہ ان کی حبیبہ حضرت عائشہ رض کے نازک دل کو ٹھیس لگے اور وہ ذرا دیر کے لیے بھی مضمحل ہوں ـــــ آپ ؐ حضرت عائشہ رض کے قریب گئے اور پیار بھرے انداز میں کہا ـــــ کہو عائشہ کیسا بچایا ـــــ عائشہ صدیقہ مسکرا پڑیں اور رسول ؐ سے لپٹ گئیں یا رسول اللہ! معاف کر دیجئے، مجھے نہ جانے کیا ہو گیا تھا، خدا معاف کرے۔ اور رسول ؐ خدا کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

کچھ دنوں کے بعد ابوبکر صدیق رض پھر بیٹی سے ملنے آئے تو دیکھا کہ مثالی شوہر اور معیاری بیوی کے گھریلو حالات میں مثالی خوشگواری ہے کیوں نہ ہوتی امت کے لیے یہی تو نمونے کا گھرانہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض پیار و محبت کی یہ فضا دیکھ کر بہت ہی مسرور ہوئے اور خدا کے رسول ؐ سے فرمایا! یا رسول اللہ ایک دن میں آپ دونوں کی لڑائی میں شریک ہوا تھا، اس صلح و پیار میں بھی مجھے شریک فرمایئے۔

داعیِ اعظم ؐ نے کہا۔ ہاں ہاں ضرور۔۔۔۔۔

۴۔ عائشہ صدیقہ رض صرف نو سال کی تھیں، سہیلیوں کے ساتھ کھیلا کھیل رہی تھیں کہ ان کی ماں حضرت امّ رومان زینب رض نے ان کو بلا بھیجا۔ اب عائشہ رض کی رخصتی کا وقت تھا، دن چڑھے خدا کے رسول ؐ بھی پہنچ گئے۔ اور عائشہ صدیقہ رض ایک نو عمر لڑکی رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آ گئیں ـــــ ایک ذہین و طباع نو عمر لڑکی۔ لاأبالی کی ننھی ننھی عمر ـــــ اور شریکِ حیات وہ جن کے کندھوں پر پورے عالم کی قیادت کا بوجھ

———— انتہائی حلم و تفقہ، عمر بھی ڈھل گئی تھی کس قدر فرق تھا دونوں کے مزاج، معیار فکر اور دلچسپیوں میں مگر مثالی شوہر نے جس طرح ایک نو عمر لڑکی کے نازک جذبات و احساسات کا خیال رکھا جس طرح ناز و انداز برداشت کئے اور اپنی مثالی زندگی سے رہتی زندگی تک خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے جو نمونہ چھوڑا وہ خدا کے رسول ہی کا حق تھا۔

عید کا دن تھا حرم نبوی کے قریب ہی کچھ حبشی اپنے سپاہیانہ کرتب دکھا رہے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضؓ کو معلوم ہوا۔ ایک کمسن لڑکی کس طرح مطالبہ نہ کرتیں کہ میں بھی دیکھوں گی ———— سرور کونینؐ اپنی آڑ میں اپنی حبیبہ عائشہ رضؓ کو لے کر دروازے میں کھڑے ہو گئے اور اُمت کی ماں دوشِ مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر حبشیوں کا تماشہ دیکھنے لگیں۔ دیر تک دیکھتی رہیں ———— رسولِ خدا نے پوچھا، عائشہ، کیا ابھی جی نہیں بھرا؟ نہیں، ابھی نہیں ———— عائشہ رضؓ نے بے تکلف کہا۔

اور خدا کے حبیب غیر معمولی ذمہ داریوں کے باوجود اپنی حبیبہ پاک کو اسی طرح کھڑے یہ تماشہ دکھاتے رہے ———— یہاں تک کہ خود اُم المومنین ہی تھک کر ہٹ گئیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ننھی دلہن کے پاس کم سن بچیاں کھیلنے کے لیے جمع ہو جاتیں گڑیوں کا کھیل ہوتا رہتا ———— ایک دن خدا کے رسولؐ آئے، لڑکیاں گڑیوں سے کھیل رہی تھیں، گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر بھی لگے ہوئے تھے۔

"عائشہ رضؓ! یہ کیا ہے؟" خدا کے رسولؐ نے پوچھا

"یہ گھوڑا ہے" عائشہ صدیقہ رضؓ نے جواب دیا۔

"گھوڑے کے پر کہاں ہوتے ہیں؟" رسولِ خدا نے پھر پوچھا۔

"حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے تو پر تھے" عائشہ حمیرا نے

برجستہ جواب دیا اور خدا کے رسولؐ اس بے ساختہ جواب

پر بے اختیار مسکرا دیئے۔

۳۔ شادی کے کچھ ہی دنوں بعد، مدینے سے باہر رسولِ خدا نے

عائشہ صدیقہؓ سے کہا "آؤ! دوڑ میں مقابلہ کر رہی ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں" عائشہ صدیقہ فوراً تیار ہو گئیں

اور دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ صدیقہ حمیرا کم سن تھیں اور چھریرا بدن تھا۔

آگے نکل گئیں اور خدا کے رسول پیچھے رہ گئے ——— عائشہ صدیقہؓ

کی خوشی دیکھنے کے قابل ہو گی۔ بہت دنوں کے بعد پھر ایک ایسا ہی

موقع آیا۔ اور آپ نے پھر تحریک کی جس کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا

بدن کچھ بھاری پڑ گیا تھا ——— دوڑ ہوئی تو اس بار پیچھے رہ گئیں ———

——— اور خدا کے رسولؐ آگے نکل گئے ——— آپ نے پہلا مقابلہ یاد

دلا کر کہا عائشہ! یہ اس کا بدلہ ہو گیا"

۴۔ رسولِ خدا سفر میں ہیں، ازواجِ مطہرات بھی ہمراہ ہیں، خدا کا کرنا

حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ اور وہ سب سے پیچھے رہ گئیں

——— خدا کے رسولؐ پاس پہنچے دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں، وجہ

معلوم کی اور تسلی دینے کی کوشش فرمانے لگے۔ مگر آپ جس قدر تسلی

دیتے وہ اور زیادہ روتیں، دیر تک آپ چادر کے پلو سے ان کے آنسو

پونچھتے رہے۔

۵۔ حضرت صفیہؓ سے آپ کو انتہائی محبت تھی، ہرگز گوارا نہ تھا

کہ ان کے دل پر میل آئے، اور ان کے نازک دل کو کوئی دکھ پہنچے۔

ایک بار آپ ان کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ رو رہی ہیں، حضورؐ کو دیکھ کر

ان کا دل اور بھر آیا۔ اور زار و قطار رونے لگیں۔

حضورؐ نے پیار سے پوچھا "صفیہ! کیوں کیا بات ہے؟"
حضرت صفیہؓ کچھ کہنے کے بجائے اور زیادہ رونے لگیں۔
خدا کے رسولؐ نے فرمایا آخر بتاؤ تو سہی کیا بات ہے"؟
"عائشہؓ اور زینبؓ نے ستا رکھا ہے، کیا بتاؤں کہتی ہیں ہم دونوں ساری بیویوں سے افضل ہیں، ہم رشتہ میں رسولؐ اللہ کی بہنیں بھی ہیں"۔۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر حضرت صفیہؓ نے ایک اور ہچکی لی۔
"ارے یہ کونسی اہم بات ہے، تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ حضرت ہارونؑ میرے باپ، حضرت موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔۔۔۔۔۔ تم مجھ سے افضل کیسے ہو سکتی ہو"۔۔۔۔۔۔ یہ سن کر حضرت صفیہؓ کھل اٹھیں اور رسولِ خداؐ کا دل باغ باغ ہو گیا۔
۱۰۔ ایک بار خدا کے رسولؐ کہیں سفر پر جا رہے تھے، پاک بیویاں بھی آپؐ کے ساتھ تھیں، اونٹوں پر سوار قافلہ جا رہا تھا، ساربانوں نے جوش میں اونٹ دوڑانا شروع کر دیئے۔۔۔۔۔۔ آپؐ کو فوراً عورتوں کا خیال آیا اور ساربانوں سے فرمایا۔ ذرا خیال رکھو یہ آبگینے بھی ساتھ ہیں، عورتوں کے لیے آپؐ کے دل میں کیا جذبات تھے، ان کے نازک جذبات کا کس قدر لحاظ تھا۔ اس کیفیت کو آپؐ نے جس ادبی جملے میں ظاہر فرمایا، خدا گواہ ہے کہ آبگینوں کی نزاکت کا احساس ظاہر کرنے کے لیے اس سے بہتر انداز ممکن نہیں۔
۱۱۔ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔۔۔۔۔۔ ان کی بہن ہالہ ایک بار خدا کے رسولؐ سے ملنے کے لیے گھر تشریف لائیں۔۔۔۔۔۔ سلام کہہ کر اندر آنے کی اجازت چاہی، ہالہ کی آواز حضرت خدیجہؓ سے بہت ملتی جلتی تھی۔۔۔۔۔۔ آپؐ کے کانوں میں یہ مانوس آواز آئی تو بے اختیار خدیجہؓ یاد آ گئیں، آپؐ نے ایک لمبی

سانس لی اور مسکرا کر فرمایا ہالہؓ ہوں گی۔
عائشہ صدیقہؓ یہ کیفیت سمجھ گئیں۔ انہیں انتہائی رشک ہوا اور بولیں یا رسول اللہ! آپ ایک ایسی بوڑھی عورت کو یاد کر رہے ہیں جو مرچکی ہیں اور خدا نے آپ کو ان سے کہیں زیادہ اچھی اور جوان بیویاں عطا فرما دی ہیں —— خدا کے رسولؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت آپ پر خدیجہؓ کی یاد میں کچھ اور ہی کیفیت طاری تھی۔

شفیق باپ

۱۔ حضرت زینبؓ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، کم سنی ہی میں ان کی شادی ابو العاص بن ربیع سے ہو گئی تھی، ابو العاص حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن ہالہؓ کے نورِ نظر تھے۔ حضرت زینبؓ ماں باپ کی بڑی لاڈلی تھیں۔ ماں نے جہیز بھی بڑا قیمتی دیا تھا، جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے یمنی عقیق کا اپنا قیمتی ہار بھی بیٹی کو دیا تھا۔

مکے میں تیرہ سال دعوتِ حق کا کام کرنے کے بعد جب خدا کا حکم آیا کہ مدینے کو ہجرت کر جاؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی اور حضرت زینبؓ مکہ میں اپنی سسرال میں رہ گئیں —— دوسرے سال بدر کی جنگ ہوئی تو ان کے شوہر ابو العاص بھی مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ بدر میں عبد اللہؓ بن جبیرؓ نے بہت سے دشمنوں کو قید کیا ان میں رسولؐ کے داماد ابو العاص بھی تھے۔

مکے والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے فدیے بھیجے، حضرت زینبؓ کو شوہر کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو وہ بھی بے چین ہو گئیں اور ان کی رہائی کے لیے اپنی ماں کا دیا ہوا ہار اپنے

دیور عمرو بن ربیع کو دے کر مدینے بھیجا۔

یہ تمام فدیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ فدیے کی چیزوں میں جب آپ کی نظر اس ہار پر پڑی، تو حالت غیر ہو گئی، دل بھر آیا، بیٹی کی محبت نے بھی جوش مارا اور خدیجہؓ کی یاد بھی تازہ ہو گئی کچھ دیر آپ غمزدہ بیٹھے رہے۔

پھر آپ نے صحابہؓ سے کہا: یہ ہار محمدؐ کی بیٹی زینبؓ کا ہے جو اس کی ماں نے اسے جہیز میں دیا تھا، میں کیسے کہوں کہ ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دو۔ مگر میرے غم کو تم لوگ سمجھ سکتے ہو، تم لوگ خود ہی سوچ کر کہ ابو العاص کا فدیہ کیا ہو مناسب ہو تو یہ ہار بھی زینبؓ کو واپس کر دو۔ اور ابو العاص کو بھی رہا کر دو۔

صحابہؓ نے مشورہ کیا اور کسی طرح یہ بات مناسب معلوم نہ ہوئی کہ ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا جائے، یہ امتیازی سلوک اسلامی ذہن پر بڑا گراں تھا، مشورہ یہ ہوا کہ ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر رہا نہ کیا جائے لیکن رسولؐ کی بیٹی کا ہار واپس کر دیا جائے اور ابو العاص کا فدیہ یہ طے کر دو کہ پہنچ کر رسولؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو یہاں بھیج دیں۔ ابو العاص نے بخوشی اس بات کو منظور کر لیا۔ رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرمایا کہ ابو العاص کے ساتھ زید بن حارثہ کو بھی بھیج دو۔ زید مکے سے پہلے بطن یاجج میں قیام کر کے انتظار کریں۔ اور ابو العاص زینبؓ کو ان کے پاس بطن یاجج پہنچا دیں اور زید بن حارثہ زینبؓ کو لے کر مدینے واپس آجائیں۔ زید اور ابو العاص دونوں روانہ ہو گئے زید بن حارثہ بطن یاجج میں ٹھہر گئے اور ابو العاص مکے پہنچے اور اپنے وعدے کے مطابق بطن یاجج میں حضرت زید کے پاس حضرت زینبؓ کو بھیج گئے

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو انہوں نے مدینے روانہ کر دیا لیکن زینب رضی اللہ عنہا کے بغیر ان کے شب و روز بے نور ہو گئے۔ وہ مغموم رہنے لگے۔ ایک بار شام کے سفر میں تھے کہ بیوی کی یاد نے بے تاب کر دیا۔ اور وہ بے ساختہ یہ اشعار گنگنانے لگے۔

"میں مقام ارم سے گزر رہا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا کی یاد نے مجھے تڑپا دیا۔ اور بے اختیار میری زبان سے یہ دعا نکلی ——— خدا اس شخص کو شاداب و شاد کام رکھے جو حرم میں قیام پذیر ہے۔ اور امین کی لڑکی کو خدا جزائے خیر دے۔ شوہر اسی بات کو یاد کر کے تعریف کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے۔"

ابو العاص جب شام سے اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ واپس آ رہے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلے کے تعاقب میں ایک سو ستر سوار روانہ کیے عیص کے مقام پر ان سواروں نے تجارتی قافلے کو جا پکڑا۔ مشرکین گرفتار کر لیے گئے اور ان کا سامان قبضے میں لے لیا گیا۔ مگر اسلامی شہسواروں نے داماد رسول ابو العاص سے کچھ نہ کہا۔

اب ابو العاص نے مکے کے بجائے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچ کر زینب رضی اللہ عنہا کا گھر معلوم کیا اور ان کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ کے طالب ہوئے۔ مسجد نبوی میں فجر کی نماز ہو رہی تھی۔ لوگوں نے ایک نسوانی آواز سنی "میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم لوگوں نے آواز سنی ہے؟ عجیب معاملہ ہے کہ مسلمانوں کی کمزور ہستیاں دشمنوں کو پناہ دے رہی ہیں۔"

آپ گھر پہنچے تو پیاری بیٹی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شفیق

باپ سے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ ممکن نہیں کہ ابو العاص کے قافلے کا جو سامان چھینا گیا ہے وہ واپس کر دیا جائے؟ —— بیٹی کا مطالبہ سن کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا مگر خاموش رہے۔ —— اور کچھ دیر کے بعد ان لوگوں کے پاس یہ پیغام بھیجا: "ابو العاص میری پیاری بیٹی کا شوہر ہے اور زینب کی خواہش ہے کہ ابو العاص کا سامان واپس کر دیا جائے —— میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ تم ضرور ایسا کرو۔ مگر تم جانتے ہو زینبؓ کی خوشی میری خوشی ہے۔ اگر تم ابو العاص کے ساتھ احسان کرو تو مجھے خوشی ہوگی —— سب نے یک زبان ہو کر کہا: حضورؐ ہم آپ پر قربان ہم سب کچھ واپس کرنے کو تیار ہیں۔ رسولِ خدا اپنی پیاری بیٹی کے پاس آئے اور فرمایا: دیکھو سامان سب واپس ہو جائے گا۔ تم ابو العاص کی خاطر تواضع اور عزت و احترام میں ذرا کمی نہ کرنا —— رسولِ خدا کی پیغمبرانہ نگاہیں وہ کچھ دیکھ رہی تھیں جس تک دوسروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

ابو العاص سارا مال و اسباب لے کر مکے کی طرف روانہ ہوگئے، مگر اس مرتبہ وہ بار بار مڑ مڑ کر مدینے کو دیکھتے تھے، قدم کچھ بوجھل تھے اور دل کی دنیا کچھ بدلی ہوئی تھی رسولِ پاک کا بے پناہ احسان و سلوک رنگ لایا، ابو العاص مکے پہنچے۔ جس جس کا جو مال تھا ادا کیا۔ ابو العاص ہمیشہ سے مکہ میں ایک تجربہ کار اور دیانت دار تاجر کی حیثیت سے مشہور تھے، سب کے مطالبات ادا کرنے کے بعد آپ نے اعلان کیا: مکے کے کسی شخص کا میرے ذمہ کوئی اور مطالبہ ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے۔ مکے والوں نے کہا: آپ انتہائی باوفا، اور انتہائی شریف بھائی ہیں ——

اب ابو العاص دل کی بات زبان پر لائے اور کہا اس بار مدینے سے واپس ہونے کو ہرگز جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر یہ سوچ کر واپس ہوا کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ میں نے تمہارا مال و اسباب غضب کر لیا۔ اب جبکہ میں تمہارے سارے

مطالبہ ادا کر چکا۔ اور خدا نے یہ بوجھ میرے دل اور کندھے سے اُتار دیا، تو میں اعلان کرتا ہوں سُن لو۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔

۷ھ محرم کے مہینے میں حضرت ابوالعاص رضؓ دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ بات پوری ہوئی جس کو رسولِ پاکؐ کی پیغمبرانہ نگاہیں اس وقت دیکھ چکی تھیں جب آپؐ ابوالعاص کو مکّے رخصت کر رہے تھے اور اس خبر سے مدینے میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت فاطمہ زہراؓ مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے ذرا فاصلے پر رہتی تھیں۔ ایک دن خدا کے رسولؐ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے ان کے یہاں پہنچے بات چیت ہو رہی تھی کہ شفیق باپ نے شفقت کرتے ہوئے فرمایا۔

لختِ جگر! تم بہت دور رہتی ہو، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمہیں اپنے قریب بلا لوں، شفیق باپ کے قریب رہنے کی بات سُن کر حضرت فاطمہؓ بے چین ہو گئیں، بولیں یا رسول اللہ حارثہ بن نعمان کے کئی مکان ہیں، ایک تو آپؐ سے بہت ہی قریب ہے اگر آپؐ ان سے فرما دیں تو وہ بخوشی اسکا انتظام کر دیں گے۔

"مگر بیٹی میں ان سے کیسے کہوں! مجھے تو یہ بات کہتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ خیر خدا خود ہی کوئی انتظام فرما دے گا" حضورؐ نے بیٹی کے سر پر

ہاتھ پھیرا، دعائیں دیں اور رخصت ہو گئے۔

حارثہؓ کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ خدا کے رسولؐ اپنی بیٹی کو اپنے قریب بلانا چاہتے ہیں، وہ خود ہی دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ فاطمہ زہراؓ کو اپنے قریب کسی مکان میں بلانا چاہتے ہیں، خدا کے رسولؐ خاموش رہے، حارثہؓ نے کہا یا رسول اللہ میرا مال و جان سب کچھ خدا اور اس کے رسولؐ پر قربان ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ کے قریب میرے کئی مکان ہیں اور خدا شاہد ہے کہ میری جو چیز آپ قبول فرمالیں گے۔ اس کا آپ کے پاس رہنا مجھے اپنے پاس رکھنے سے زیادہ محبوب ہوگا، یا رسول اللہ میرا جو مکان پسند ہو حاضر ہے، میری خوشی بھی یہی ہے کہ آپ فاطمہ زہراؓ کو اپنے قریب بلالیں۔

رسول اللہؐ نے حارثہؓ کو دعائیں دیں اور فرمایا حارثہؓ! تم نے جو کچھ کہا سچ کہا، اور پھر آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ زہراؓ کو اپنے قریبی مکان میں بلالیا۔

۴۔ رحمتِ عالمؐ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مدینے کے بیرونی علاقے میں ایک لوہار ابو سیف کے یہاں پرورش پا رہے تھے، آپ اکثر پیدل وہاں جاتے، ابو سیف لوہار تھے، گھر دھوئیں سے بھرا رہتا، خدا کے رسولؐ اپنی نظافتِ طبع کے باوجود بیٹے کی محبت میں وہاں بیٹھے رہتے اور اسی دھوئیں میں اپنے پیارے بچے کو گود میں لیتے، پیار کرتے، اپنا منہ اور ناک اس کے گالوں پر رکھتے گویا سونگھ رہے ہیں اور پھر پیدل مدینہ واپس آجاتے۔

ایک بار آپ ابو سیف کے یہاں پہنچے تو پیارے بچے کی سانس اکھڑ چکی تھی حضرت انسؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی ہمراہ تھے، آپ

لخت جگر کو گود میں لیے بیٹھے تھے آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے ـــــــ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ منظر دیکھا تو خدا کے رسول سے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں، فرمایا " ابن عوف! یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں" ـــــــ اور آنکھوں سے آنسو پھر ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

نگاہ میں حضرت ابراہیم پرتھیں شفیق باپ کا دل دکھی تھا۔ آپ فرما رہے تھے "آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل کڑھتا ہے۔ مگر ہم زبان سے صرف وہی کہتے ہیں جس کو ہمارا پروردگار پسند کرتا ہے اور اے ابراہیم ہمیں تیری جدائی کا بہت غم ہے"

۴۔ سرورِ کائنات کا مستقل معمول تھا کہ جب کبھی سفر سے واپس آتے تو مسجد میں دو رکعت ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے جاتے اور اسی طرح جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے یہاں سے رخصت ہوتے۔

حضرت فاطمہؓ کو بھی شفیق باپ سے ایسی ہی مثالی محبت تھی۔ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تسلی اور تشفی کے کلمات کہنے لگے تو فاطمہ زہراؓ نے حضرت انسؓ سے کہا۔

"آخر تمہارے دل نے یہ کیسے گوارا کیا کہ منوں خاک کے نیچے خدا کے رسولؐ کو دبا دیا" اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے پھر مبارک قبر پر پہنچیں اور زار و قطار روتی رہیں، پھر قبر سے مٹی اٹھائی آنکھوں پر ملی اور یہ دو شعر پڑھے۔

جو شخص بھی حضورؐ کے مزار کی خاک سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ وہ پھر زندگی بھر کوئی دوسری خوشبو نہ سونگھے۔

مجھ پر جو مصیبتیں آپڑی ہیں اگر یہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو یہ دن رات بن جاتے۔

نرم دل نانا

۱۔ خدا کے رسولؐ اپنی مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، دیکھا کہ مسجد میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی آ رہے ہیں، مسجد کے صحن میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے نانا جان کے پاس جلد پہنچنا چاہتے ہیں، لیکن قدم لڑکھڑا رہے ہیں اور ہر قدم پر خطرہ ہے کہ کہیں گر نہ جائیں۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، سرخ جوڑا پہنے بڑے پیارے لگ رہے ہیں، ننھی ننھی ٹانگیں لرز رہی ہیں اور وہ نانا جان کی طرف بڑھ رہے ہیں، خدا کے رسولؐ کچھ دیر تک تو دیکھتے رہے، مگر ضبط نہ کر سکے، ممبر سے اتر آئے، نواسوں کو آغوش میں لیا اور لے جا کر اپنے سامنے بٹھا لیا، اب سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، خدا نے کتنی سچی بات فرمائی ہے۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ

فی الواقع تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے ذریعہ آزمائش ہیں۔

آپؐ اکثر فرمایا کرتے "حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا، خدا اس سے محبت رکھے جو میرے حسینؓ سے محبت رکھتا ہے۔"

۲۔ حضرت حسنؓ یا حسینؓ محبت کرنے والے نانا کے پیروں پر پیر رکھے کھڑے تھے۔ آپؐ نے دونوں ہاتھ پکڑے اور فرمایا بیٹے اور اوپر چڑھ آؤ، اور وہ اوپر چڑھتے چڑھتے اس سینے پر چڑھ آئے جس میں پوری انسانیت کا درد تھا، نانا جان نے پیار سے نواسے کا منہ چوما اور خدا سے التجا کی "پروردگار! میں اس سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس

سے پیار کر۔

۳۔ خدا کے رسولؐ کسی کے یہاں مدعو تھے، تیز تیز قدموں سے جا رہے تھے، چلتے چلتے رُک گئے۔ پیارے نواسے حضرت حسینؓ راستے میں کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے، اور نواسے کو سینے سے لگانے کے لیے بلایا۔ حضرت حسینؓ ہنستے اور دوڑتے ہوئے آئے مگر پاس آکر پھر کترا جاتے، اور بچ کر نکل جاتے۔ آخر ایک بار پکڑ میں آگئے۔ حضورؐ نے ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر رکھا اور ایک ہاتھ ان کے سینے پر، اور مبارک سینے سے جوش محبت میں چپٹا لیا۔ اور پھر بڑے پیار سے فرمایا "حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔"

۴۔ آپؐ ایک شاہراہ سے گزر رہے ہیں، پیارا نواسہ کندھے پر سوار ہے، جس پر پورے عالم کی قیادت کا بوجھ تھا۔ راہ میں کسی نے کہا، کیا اچھی سواری ہاتھ آئی ہے تمہیں صاحبزادے! پیار کرنے والے نانا نے کہا "سوار بھی کیسا اچھا ہے۔"

۵۔ خدا کے رسولؐ نماز پڑھ رہے ہیں وہ نماز جس کے خلوص اور خشوع وخضوع کی کوئی رمق بھی مل جائے، تو پوری امت کی نماز، نماز ہو جائے۔ اسی دوران ایک پیاری معصوم بچی آتی ہے اور کندھے پر سوار ہو جاتی ہے، آپؐ رکوع میں جانا چاہتے ہیں اور بچی کندھے پر سوار ہے۔ آپؐ نہایت نرمی سے پیاری بچی کو کندھے سے اُتار دیتے ہیں، اور خدا کے حضورؐ رکوع اور سجود کرتے ہیں، پھر کھڑے ہوتے ہیں تو بچی پھر سوار ہو جاتی ہے، نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو پیاری نواسی کو نہ ڈانٹتے ہیں نہ جھڑکتے ہیں بلکہ جوش محبت میں سینے سے لپٹا لیتے ہیں۔

ایک بار خدا کے رسولؐ کے پاس کچھ تحفے آئے، اچھے اچھے تحفے،

ان تحفوں میں ایک سنہرا خوبصورت ہار بھی تھا۔ ننھی بچی ایک کونے میں کھیل رہی تھی۔ خدا کے رسول ؐ نے فرمایا: یہ ہار تو میں اپنے گھر والوں میں سے اُسے دوں گا جو مجھے بہت زیادہ پیاری ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ ضرور آپ یہ ہار حضرت عائشہ ؓ کے گلے کی زینت بنائیں گے۔ مگر آپ ؐ نے کھیلنے والی پیاری بچی کو اپنے پاس بلایا، پیار کیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے وہ ہار پیاری نواسی امامہ ؓ کے گلے میں ڈال دیا۔

۱۰۔ شفیق ؐ نانا پیارے نواسے حسین ؓ کو پیار کر رہے تھے۔ اسی دوران مکّے کے ایک دولت مند سردار اقرع بن حابس بھی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اقرع بن حابس ؓ نے یہ منظر دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی کہ اتنی عظیم ہستی بچوں کو اس طرح پیار کر رہی ہے۔ اور اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"مجھے خدا نے دس بچے دے رکھے ہیں، مگر میں نے کو آج تک کسی ایک بچے کو بھی پیار نہیں کیا ہے" رحمتِ عالم ؐ نے فرمایا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے "حسن ؓ اور حسین ؓ میرے گلدستے ہیں" جب کبھی آپ ؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ ؓ کے یہاں تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ زہرا ؓ سے فرماتے "فاطمہ ؓ! میرے بچے کہاں ہیں لاؤ انہیں" وہ دونوں بیٹوں کو آپ ؐ کے پاس لاتیں، آپ ؐ ان کو سینے سے لپٹاتے، پیار کرتے اور ان کے رخساروں پر اپنا منہ اور ناک رکھ کر اس طرح پیار فرماتے گویا سونگھ رہے ہیں۔

۱۱۔ پیاری بیٹی زینب ؓ نے اپنے شفیق باپ ؐ کے پاس قاصد بھیجا اور کہلوایا میرے بچے کی جان کنی کا نازک وقت ہے، ذرا دیر کے لیے

تشریف لے آئیے۔ خدا کے رسولؐ کے پاس پیغام پہنچا تو قدرتی طور پر غمزدہ ہوئے الفاظ سے کام لیا اور قاصد سے کہلا بھیجا، بیٹی تم پر سلامتی ہو، جو کچھ خدا نے لے لیا وہ خدا ہی کا ہے اور جو کچھ اس نے عطا فرمادیا وہ بھی خدا ہی کا ہے، ہر چیز کا اس کے یہاں وقت مقرر ہے ـــــ بیٹی! صبر سے کام لو، خدا تمہیں ضرور اس کا بہترین صلہ دے گا۔

حضرت زینبؓ بچے کی جاں کنی کا منظر دیکھ کر بے حال تھیں۔ جگر گوشہ گود میں پڑا اپنی آخری گھڑیاں پوری کر رہا تھا آپؐ نے پھر قاصد بھیجا اور کہلوایا، حضور ضرور تشریف لائیں بڑا سخت وقت ہے حضورؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی ابن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور کچھ دوسرے صحابہ بھی تھے۔ خدا کے رسولؐ بیٹی کے یہاں پہنچے تو بچے کو آپؐ کی گود میں دیا گیا۔ بچے کی جاں کنی ہو رہی تھی، معصوم بچہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا تو اسے کی یہ کیفیت دیکھ کر بے اختیار آپؐ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

سعدؓ بن عبادہ بولے یا رسول اللہ! کیا! آپؐ رو رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا، یہ رحم ہے، رحم، جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انہی بندوں پر رحم فرماتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔

ادب شناس بیٹیا

جعرانہ کے مقام پر آپؐ بیٹھے گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت آئیں، یہ قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون تھیں، آپؐ نے بوڑھی عورت کو دیکھا، تو استقبال اور احترام کے لیے فوراً اٹھے۔ اور اپنے

قریب ہی اپنی چادر بچھائی ، پھر نہایت عزت و اکرام کے ساتھ اس بوڑھی خاتون کو بٹھایا ، ادب و احترام کے ساتھ ان سے گفتگو کرتے رہے ۔۔۔

ایک صحابی ابو الطفیل ؓ نے یہ دیکھا تو لوگوں سے پوچھا یہ کون خاتون ہیں ، جن کا آپ ؐ اتنا احترام فرما رہے ہیں ، لوگوں نے بتایا کہ یہ قابلِ احترام خاتون حلیمہ ؓ سعدیہ ہیں جنہوں نے خدا کے رسول ؐ کو پالا تھا ، اور اپنا دودھ پلایا تھا ۔

حق شناس بھائی

مجاہدینِ اسلام نے قبیلہ بنی ہوازن پر حملہ کیا ، اور بہت کچھ سامان ، لونڈی غلام قبضے میں آ گئے ۔۔۔۔ ان عورتوں میں حارث کی بیٹی شیما بھی تھیں ۔ یہ باندیاں خدا کے رسول ؐ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو شیما دیر تک ٹکٹکی باندھے حضور ؐ کو دیکھتی رہیں پھر بولیں ، جانتے ہو میں کون ہوں ، میں تمہاری رضاعی بہن شیما ہوں ۔۔۔۔ دیکھو یہ ہے میری نشانی ، جس سے تم واقف ہو ۔۔۔۔ حضور ؐ نے وہ نشانی دیکھی تو کچھ یادیں تازہ ہو گئیں ، آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ وہ منظر یاد آ گیا جب شیما حضور ؐ کو اپنی والدہ سعدیہ کے یہاں گود میں کھلایا کرتی تھیں ۔

شیما بولیں ، محمد ؐ ! تمہیں یاد ہے جب میں تمہیں گود میں لیے کھلاتی تھی اور یہ گیت گایا کرتی تھی ۔

یَا رَبَّنَا اَبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا ۔ حَتّٰی اَرَاہُ یَافِعًا وَّ اَمْرَدًا

ثُمَّ اَرَاہُ سَیِّدًا مُّسَوَّدًا ۔ وَاکْبِتْ اَعَادِیْہِ مَعًا وَّ الْحُسَّدَا

وَاَعْطِہٖ عِزًّا یَّدُوْمُ اَبَدًا

اے ہمارے رب ! محمد ؐ کو جیتا رکھ کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان کو جوانی دیکھیں پھر ہم اس کو ایک معزز سردار دیکھیں اور اس سے حسد رکھنے والے دشمن ، ذلیل اور سرنگوں ہوں خدایا !

تو اس کو ایسی عزت عطا کی جو ہمیشہ ہمیشہ رہے۔

خدا کا شکر ہے یہ سب کچھ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور شیما کی آنکھوں سے خوشی کے دو موٹے موٹے آنسو ٹپک پڑے۔ رسول اللہ کی نگاہوں میں بچپن کا پورا منظر گھوم گیا۔ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اپنی پاک چادر اپنے ہاتھ بچھائی۔ بڑی بہن کو عزت کے ساتھ اس پر بٹھایا، کچھ دیر باتیں کرتے رہے، خوشی سے آپ کا چہرہ دمک رہا تھا، پھر بہن سے کہا، اگر تم میرے پاس رہنا پسند کرو تو یہاں تمہیں ہر طرح کا آرام ملے گا، عزت و آسائش سے یہاں رہو، اور اگر اپنے قبیلے ہی میں واپس جانا چاہتی ہو تو تمہیں وہیں آرام و عزت کے ساتھ روانہ کرا دیا جائے۔

شیما نے کہا، پیارے بھائی! سب سے پہلے تو مجھے کلمہ پڑھا کر اسلام میں داخل کرو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کلمہ پڑھ کر شیما اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئیں۔ پھر درخواست کی یا رسول اللہ! اب مجھے میرے قبیلے ہی میں واپس بھیجنے کا انتظام فرما دیجئے۔ آپ نے شیما کو تین غلام، ایک باندی، ایک بکری اور کچھ نقد رقم دے کر عزت و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

مہربان مُحسن

ایک بار حضرت علیؓ نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ آپ اپنی بیٹی اور اپنے داماد دونوں میں کس سے زیادہ محبت کرتے ہیں"؟ عجیب و غریب سوال تھا۔ مگر ہادیٔ اعظمؐ نے بھی بڑا عجیب و غریب جواب دیا "تم سے زیادہ مجھے فاطمہؓ محبوب ہے اور فاطمہؓ سے زیادہ تم مجھے عزیز ہو"۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان کسی بات پر ایک بار خفگی ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے ذرا سخت رویہ اختیار کیا، فاطمہ زہراؓ روٹھ کر اپنے شفیق باپ کے یہاں پہنچیں کہ باپ کو اپنا غم سنا کر دل کا کچھ بوجھ ہلکا کریں۔ پیچھے پیچھے رسول اللہ کے داماد بھی گھبرائے ہوئے پہنچے اور آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ خدا نخواستہ خدا کے رسولؐ ناراض ہو گئے تو دین و دنیا تباہ ہو جائے گی۔ فاطمہؓ نے اپنے شوہر کی سختی اور غصہ کی شکایت کی، ان کی زیادتی کا حال سنایا اور زار و قطار رونے لگیں شفیق باپ نے اس طرح بیٹی کو روتے دیکھا تو ان کا دل بھی بھر آیا، آبدیدہ ہو گئے مگر داماد کے حق میں کوئی جملہ کہنے کے بجائے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے شفیق باپ نے کہا "بیٹی میں نے تمہارا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو قریش کے جوانوں میں اور اسلام لانے میں سب سے افضل ہے۔"

"بیٹی! میاں بیوی میں کبھی کبھی ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں، وہ کون سے میاں بیوی ہیں جن کے درمیان کبھی کوئی رنجش کی بات نہ ہو۔ اور بیٹی یہ کیسے ممکن ہے کہ مرد سادے کام ہمیشہ عورت کی مرضی کے مطابق ہی کیا کرے۔ اور اپنی بیوی سے کچھ نہ کہے، بیٹی جاؤ اپنے گھر جاؤ، خدا تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے اور میں تم دونوں کو خوش دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں"۔ بیٹی کے دل سے کبیدگی دور ہو گئی ادھر علی مرتضیٰؓ نے مہربان خسر کی شفقت آمیز گفتگو سنی تو ان کا دل بھی بھر آیا، سامنے آ گئے۔ آنکھوں میں آنسو تھے، رقت کے انداز میں فاطمہؓ سے کہا ——

"خدا کی قسم آئندہ تم کوئی ایسی بات نہ دیکھو گی جس سے تمہارے نازک دل کو دکھ پہنچے"۔ فاطمہؓ کا دل بھی بھر آیا، بولیں "نہیں، غلطی تو میری ہی تھی" اور دونوں ایک دوسرے کی محبت سے سرشار خوش خوش اپنے گھر لوٹ گئے، رحمت عالمؐ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے —— اور

پھر یہ محبت اس قدر بڑھی کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی تو آپؐ روزانہ ان کی قبر پر جاتے تابانہ پہنچتے اور یہ اشعار آپؐ کی زبان پر ہوتے۔

"اے اللہ! یہ میری کیا حالت ہو گئی کہ میں روزانہ قبر پر سلام کرنے آتا ہوں ——— لیکن میرے حبیبؓ کی قبر مجھے کوئی جواب ہی نہیں دیتی۔ اے قبر تجھے کیا ہوا کہ پکارنے والے کی پکار کا کوئی جواب ہی نہیں دیتی کیا تو احباب کی محبت سے کبیدہ خاطر ہو گئی ہے؟

رحمدل بھتیجا

۱۔ غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ کفار کی صفوں میں ان کی جانبازی سے افراتفری مچی ہوئی تھی۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا، وحشی۔ جبیر نے وحشی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا۔ اس لیے وہ برابر حضرت حمزہؓ کی تاک میں لگا رہا ——— ایک موقع پر حضرت حمزہؓ وحشی کے قریب آئے تو اس حبشی نے اپنا چھوٹا نیزہ حربہ تاک کر پیٹ میں مارا۔ نیزہ ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے چاہا کہ پلٹ کر وحشی پر حملہ کریں، لیکن زخم کاری تھا لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش کیا۔

اس غزوہ میں اگرچہ رسولِ برحقؐ کی غیر معمولی شجاعت اور استقلال اور بے مثال تدبر و بصیرت سے مسلمانوں کی شکست، فتح میں بدل گئی تھی لیکن یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں سخت زک اٹھانی پڑی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ اسلامی فوج جب جنگ سے واپس مدینے پہنچی تو مدینے میں گھر گھر ماتم بپا تھا۔ خواتین اپنے اپنے

شہیدوں کو یاد کر کے نوحہ کر رہی تھیں۔ بڑا ہی رقت انگیز منظر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا کہ عورتیں اپنے جگر گوشوں اور عزیزوں کا ماتم کر رہی ہیں تو آپ کا دل بھر آیا۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت کا منظر سامنے آگیا اور بڑے ہی رقت انگیز انداز میں فرمایا "کیا حمزہؓ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے" ــــــ وحشی جنگ طائف کے بعد ایمان لے آئے تھے لیکن جب بھی وحشی پر رحمت عالمؐ کی نظر پڑتی چچا یاد آ جاتے۔ بہت ضبط فرماتے۔ مگر ایک دن وحشی سے فرمایا "تم میرے سامنے نہ آیا کرو"

۲۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں رحمت عالمؐ کے چچا عباسؓ بھی قید ہو کر آئے ــــــ مسلمانوں نے قیدیوں کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے تھے۔ عباسؓ کے ہاتھ پاؤں بھی رسی اور زنجیروں سے جکڑ دیئے گئے تھے۔ عباسؓ برابر درد سے کراہ رہے تھے ــــــ ان کے کراہنے کی آواز رحمدل بھتیجے کے کان میں پہنچ رہی تھی ــــــ اور آپ بے قراری اور بے چینی میں کروٹیں بدل رہے تھے۔ نیند کسی کروٹ بھی نہیں آرہی تھی ــــــ مگر کیسے کہتے کہ عباسؓ کے بندھن ڈھیلے کردو۔ آپ کو بے قرار دیکھ کر جاں نثار بھی بے قرار ہو گئے اور سمجھ گئے کہ عباسؓ کی کراہوں نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے ــــــ لوگوں نے عباسؓ کے بندھن ڈھیلے کر دیئے۔ ان کے درد و کرب میں کمی آئی۔ کراہیں بند ہوئیں ــــــ تو رحمت عالمؐ کو بھی آرام ملا اور آپ سو گئے۔

ضعیفوں کا ماویٰ

۱۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بازار کی طرف جا رہے تھے۔ جیب میں صرف آٹھ درہم تھے۔ راستے میں ایک ضعیف عورت بیٹھی رو رہی

تھی، آپ رُک گئے۔ اس کے قریب پہنچے اور اس کے غم میں شریک ہونے کے لیے اس سے پوچھا "بڑی بی کیوں رو رہی ہو؟ کیا حادثہ پیش آیا ہے"؟

"بی بی نے دو درہم دے کر سودا لینے کے لیے بھیجا تھا اور وہ درہم راستے میں کہیں گر گئے۔ اب وہ کیا خیال کریں گی"! یہ کہہ کر بڑھیا پھر زار و قطار رونے لگی۔ آپ نے جیب سے دو درہم نکالے، بڑھیا کے ہاتھ پر رکھے اور اس کو تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

بازار پہنچ کر خدا کے رسولؐ نے دو درہم میں ایک قمیص خریدی اور واپس ہو گئے۔ واپسی میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فقیر بالکل ننگا کھڑا ہے، پھٹا پرانا چیتھڑا ٹانگوں پر باندھ رکھا ہے اور صدا لگا رہا ہے "جو مجھے پہنائے گا خدا اسے جنت کا جوڑا عطا فرمائے گا۔"

آپ ٹھہر گئے، فقیر نے پھر صدا لگائی "جو مجھے پہنائے گا، خدا اسے جنت کا جوڑا عطا فرمائے گا" آپؐ نے وہ قمیص اسی وقت فقیر کو پہنا دی، اور پھر بازار کی طرف چل دیئے۔ وہاں جاکر آپؐ نے دوسری قمیص دو درہم میں خریدی اور اپنے گھر جانے کے لیے واپس ہوئے، دیکھا کہ راستے میں پھر وہی بڑھیا کھڑی رو رہی ہے۔ دریافت فرمایا، "بڑی بی! اب کیا بات ہے"؟

بولی "یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کہاں تک آپ کو پریشان کروں! گھر سے نکلے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔ گھر والیاں انتظار کر رہی ہوں گی۔ یہاں دیر لگ گئی اتنی دیر میں پہنچوں گی تو وہ ناراض ہوں گی برا بھلا کہیں گی، سزا دیں گی ــــــ بوڑھی ہڈیوں میں اب سزا برداشت کرنے کی تاب کہاں ہے"! بڑھیا یہ کہہ کر پھر زور زور سے رونے لگی ــــــ آپؐ نے بڑھیا کی

فریاد نہایت دھیان سے سنی، بڑھیا پر بڑا رحم آیا۔ اسے تسلی دی اور فرمایا چلو، اچھا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، بڑھیا خوش خوش چل دی خدا کے رسول ﷺ بھی ساتھ ساتھ تھے، تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ کچھ انصار کے گھر نظر آئے۔ بڑھیا نے رسول ﷺ اللہ کو بتایا "میں انہیں گھروں میں کام کرتی ہوں" —— ان گھروں کے مرد باہر گئے ہوئے ہیں، گھروں میں صرف عورتیں ہی ہیں"

آپ گھروں کے قریب پہنچے اور ذرا بلند آواز سے کہا

"اے بیبیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!"

آواز تو سب تک پہنچی، ہر خاتون متوجہ ہو گئی مگر بالکل خاموشی رہی کسی گھر سے کوئی جواب نہ آیا۔

آپ ﷺ نے پھر بلند آواز سے کہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ پھر وہی خاموشی رہی —— کسی گھر سے کوئی جواب نہ آیا۔

خواتین دروازوں کے قریب آ گئیں اور مشتاق تھیں کہ دلنواز آواز پھر آئے خدا کے رسول ﷺ نے تیسری بار پھر ذرا بلند آواز سے کہا

"اے بیبیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"

تیسری آواز پر سارے گھروں کی عورتوں نے مل کر جواب دیا

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ —— فداک ابی وامی" آپ ﷺ نے پوچھا "بیبیو! کیا تم نے میری پہلی آواز نہیں سنی تھی؟"

"یا رسول اللہ! ہم نے آپ ﷺ کا پہلا ہی سلام سن لیا تھا، اور آپ ﷺ کی آواز پہچان لی تھی، لیکن جواب اس لیے نہیں دیا کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سلامتی اور رحمت و برکت کی دعائیں ہم اور ہمارے بچے بار بار سنیں" —— عورتوں نے عقیدت و ارادت کا اظہار کرتے ہوئے کہا

——— خدا کے رسولؐ مسکرا دیئے۔ پھر فرمایا۔

"یہ تمہاری خادمہ ڈر رہی تھی اگر تم اسے ڈانٹو گی اور سزا دو گی اتفاق سے اس خدا کی بندی کو دیر ہو گئی تھی ——— میں اس کی سفارش کے لیے آیا ہوں" رسولِ خدا کے الفاظ سن کر خواتین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ——— اور ایک زبان ہو کر بولیں "یا رسول اللہ! یہ آپ کی سفارش میں لے کر آئی ہے تو آپ گواہ رہیں اسی وقت اس کو آزاد کرتے ہیں اب اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے"

باندی کی آزادی پر آپ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اور آپ ان نیک خواتین کو دعائیں دیتے ہوئے خوش خوش گھر واپس آ گئے۔

۲۔ مکہ فتح ہو چکا ہے اور لوگ جوق در جوق اسلام کا شرف حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں ——— آپ کے رفیقِ غار سیدنا ابو بکر صدیقؓ بھی ایک کمزور بوڑھے شخص کو لیے آ رہے ہیں ابو بڑھے کی ٹانگیں لرز رہی ہیں، آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ہے۔ کمزوری کی وجہ سے سانس پھول رہی ہے ——— یہ ابو بکر صدیقؓ کے والد ماجد ابو قحافہ عثمان ہیں۔ رحمتِ عالمؐ نے انہیں دیکھا تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ابو بکر صدیقؓ نے کہا "یا رسول اللہ! ان کو کلمہ پڑھا کر اسلام کے حلقے میں داخل فرمائیے"

خدا کے رسولؐ نے فرمایا! ابو بکر تم نے خواہ مخواہ ایک بزرگ کو اتنی تکلیف دی۔ میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا۔ اور پھر آپ نے ان کو کلمہ پڑھا کر اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

صادق داماد

آپ کی شادی ہو چکی تھی اغلب جنگ ۳۰ سال کی عمر تھی، آپ ہر وقت

یا تو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے یا پھر مخلوقِ خدا کی خیر خواہی، بھلائی اور فلاح کے کاموں میں لگے رہتے۔ ملک کا حال ان دنوں بڑا ابتر تھا۔ ملک میں عام طور پر بدامنی تھی، راستوں میں ہر وقت لوٹ مار کا اندیشہ تھا۔ مسافر اکثر لٹ جاتے تھے، غریبوں اور کمزوروں پر ہر طرف ظلم و زیادتی عام تھی۔ آپ اکثر سوچتے رہتے کہ ان خرابیوں کا انسداد کس طرح ہو۔ قبیلے کے سرداروں سے بھی آپ اکثر ملتے، انہیں توجہ دلاتے، اور ان باتوں کی اصلاح اور سدھار کے لیے آمادہ کرتے رہتے ——— انہیں ابتدائی کوششوں کے نتیجے میں آخر ایک انجمن قائم ہو گئی ——— جس میں بنی ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم کے لوگ شامل تھے۔

اس انجمن میں شامل ہونے والے ان چند باتوں کا عہد کر کے انجمن کے ممبر بنتے تھے۔

۱- ہم ملک میں امن و امان قائم کریں گے۔

۲- ہم مسافروں اور راہ گیروں کی حفاظت کریں گے۔

۳- ہم غریبوں اور معذوروں کی مدد کریں گے۔

۴- ہم زبردستوں کو کمزوروں پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

اس انجمن کی کوششوں سے ملک سے بہت کچھ برائیوں کا انسداد ہوا۔ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہوئی اور کچھ اطمینان و سکون پیدا ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد خدا نے آپ کو نبوت کے منصب پر سرفراز فرمایا اور پورے عالم کی اصلاح اور قیادت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی۔ نبوت کے زمانے میں آپ فرمایا کرتے، "اگر آج بھی کوئی ایسی انجمن کے تعاون کے لیے مجھے بلائے تو میں سب سے پہلے تیار ہوں گا۔"

انہی نیک کارناموں کے باعث ملک میں آپ صادق اور امین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اور آپ کی نیکی، صداقت، اور

امانت و دیانت سے مکّے کے سب لوگ واقف اور متاثر تھے۔

انہیں دنوں ایک زبردست سیلاب آیا۔ بیت اللہ کی دیواریں سیلاب سے پھٹ گئیں، بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اس کی تعمیر میں قریش کے سب ہی لوگ شریک ہوئے۔ اب مسئلہ تھا، حجرِ اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اُسے حاصل ہو، بات بڑھ گئی، چار دن اسی کشاکش میں گزر گئے۔ سخت خونریزی اور فساد کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر ابو اُمیہ ابن مغیرہ نے ایک تجویز رکھی کہ کسی کو ثالث بنا لیا جائے۔ اور وہ جو فیصلہ کرے، سب مان لیں۔ ابو اُمیہ قریش کے لوگوں میں عمر میں بھی بڑا تھا اور سمجھدار بھی۔ تجویز بھی معقول تھی، سب نے مان لی اور یہ طے ہوا کہ کل جو شخص حرم میں سب سے پہلے داخل ہوگا۔ وہی ثالث مان لیا جائے گا۔

حسنِ اتفاق دوسرے روز سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں داخل ہوئے —— آپ کو دیکھتے ہی لوگ خوشی سے چیخ اُٹھے۔

هٰذَا الْاَمِیْنُ هٰذَا الصَّادِقُ رَضِیْنَاهُ

یہ امین ہیں، یہ صادق ہیں، ہم ان کی ثالثی کے لیے راضی ہیں۔

خدا کے رسولؐ نے اپنی زبردست بصیرت اور حسنِ تدبیر سے ایسا فیصلہ کیا کہ لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی —— آپ نے ایک بڑی چادر بچھائی اور اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اٹھا کر اس چادر پر رکھا۔ اور پھر ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ چادر کو اُٹھائیں، اس طرح سب قبیلوں کے سرداروں کو پتھر اُٹھانے کی سعادت حاصل ہو گئی اور پھر حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے پتھر اُٹھا کر اس کی جگہ پر اسے نصب فرما دیا۔

بے مثال فاتح

ہجرت کا آٹھواں سال تھا۔ خدا کے رسولؐ نے مدینے میں عام اعلان کرایا کہ اسلام کے جاں باز مجاہدین تیار ہو جائیں، اور مدینے میں ہر طرف مسلم رضا کار اپنے اپنے ہتھیار درست کرنے میں لگ گئے گھر میں بھی آپؐ نے حکم دیا کہ "میرے ہتھیار تیار کر دیے جائیں ایک بڑا معرکہ درپیش ہے" مگر آپؐ نے یہ راز کسی پر ظاہر نہ فرمایا کہ کس طرف کا قصد ہے۔ عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ہاتھوں سے آپؐ کے ہتھیار تیار کیے مگر انھیں بھی یہ نہ معلوم تھا کہ اسلامی فوجیں کدھر کا رخ کر رہی ہیں۔ البتہ عظیم لشکر کی تیاری سے لوگوں نے قیاس ضرور کر لیا تھا کہ ہو نہ ہو مکے پر چڑھائی کا منصوبہ ہے۔

رمضان کی دس تاریخ تھی، ہجرت کا آٹھواں سال تھا، خدا کے رسولؐ دس ہزار جاں نثاروں کی عظیم فوج کو ہمراہ لے کر نہایت شان اور دبدبے کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلامی فوج جوشِ جہاد سے سرشار برابر آگے بڑھ رہی تھی، اور کافی تعداد میں مختلف قبیلوں کے لوگ آ آ کر فوج میں شامل ہو رہے تھے۔ مرالظہران پہنچ کر آپؐ نے فوجی کیمپ لگایا، حالات کا جائزہ لیا، اور اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے آپؐ نے اہم فوجی مصلحت کے پیشِ نظر فوج کو حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنے لیے الگ آگ روشن کرے۔ دس ہزار بھڑکتی ہوئی مشعلوں نے پورے میدان میں پھیل کر دس ہزار چولہے روشن کیے۔ پورا ریگستان وادیٔ ایمن کا منظر پیش کر رہا تھا۔

قریش کو اسلامی لشکر کی آمد کی سن گن لگ گئی تھی تین سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام، بدیل ابن ورقاء تحقیقِ حال کے لیے

پہنچے ٹیلے کی بلندی سے انہوں نے دیکھا تو دور دور تک ہزاروں
چولہے جلتے نظر آئے۔ اتنا عظیم لشکر دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ گئے۔
رسولِ خدا کے خیمے کی حفاظت کے لیے جو دستہ متعین تھا، اس نے
ان کو دیکھا اور ابوسفیان کو پہچان لیا!

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا خدا کے رسول عظیم لشکر کے
ساتھ مکّے آ پہنچے! ابوسفیان نے کہا اب قریش کا کیا بنے گا! ——
حضرت عباسؓ نے کہا آؤ میرے پیچھے خچر پر بیٹھو اور رسولِ خدا سے
بات چیت کرو۔

ابوسفیان حضورؐ سے بات چیت کرنے کے لیے آپؐ کے خیمے
کی طرف روانہ ہوئے قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھا، جوشِ
انتقام سے بے قابو ہو گئے۔ اور ابوسفیان سے کہا، او دشمنِ خدا
آج تو قابو میں آیا ہے، —— تیز تیز رسولِ خدا کی خدمت میں پہنچے
ابوسفیان کے قتل کی اجازت چاہی، مگر حضرت عباسؓ نے کہا یا رسولؐ
اللہ میں انہیں اپنی پناہ میں آپؐ کے پاس لایا ہوں —— رحمتِ عالمؐ
بھی کب چاہتے تھے کہ آج خون بہایا جائے۔ ابوسفیان سے فرمایا۔
ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین آیا؟ کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود
نہیں۔

ابوسفیان: "کوئی اور خدا ہوتا تو ہمارے کام آیا ہوتا"
رسول اللہ: "کیا اس میں اب بھی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول
ہوں؟"

ابوسفیان: "ہاں اس میں تو کچھ شبہ ہے"
رحمتِ عالمؐ نے فرمایا، چھوڑو اب اس دشمنی کو، عزت کے
ساتھ اسلام قبول کر لو" اور مکّے کے سب سے بڑے سردار نے

چاروناچار اسلام کی اطاعت قبول کر لی۔ اسلام کے فداکاروں نے صبح تک ابوسفیان کو اپنی حراست میں رکھا مگر اس انداز سے کہ ابوسفیان کو محسوس نہ ہونے دیا۔

صبح ہوئی تو اسلامی لشکر کے جاں باز مجاہدین کداد کے راستے سے مکے کی طرف روانہ ہوئے ——— حضورؐ نے حضرت عباسؓ کو اشارہ کیا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو، کہ وہ اپنی آنکھوں سے اسلامی فوج کی عظمت و شان کا منظر دیکھ لیں ———

پہلے غفار کا لشکر اپنا پرچم لہراتا، خدا کی عظمت کا ذکر کرتا گزرا۔ پھر جہینہ، ہذیم اور سلیم کے جاں باز ہتھیاروں میں ڈوبے، فداکاری کے جذبے سے سرشار، تکبیر کی صدائیں بلند کرتے گزرے۔ اور آخر میں انصار کے دستے اس شانِ جلال کے ساتھ گزرے کہ ابوسفیان سکتے میں رہ گئے۔ حضرت عباسؓ سے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا اور ٹھیک اسی لمحے برابر سے انصاری فوج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ بڑی شان و شوکت کے ساتھ گزرے۔ ابوسفیان پر نظر پڑی تو گرج دار آواز میں کہا۔

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ ۔ اَلْیَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَةُ

آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے آج کعبہ کے ماحول میں بھی خونریزی حلال کر دی جائے گی۔

سعد بن عبادہؓ جوش میں یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے دوجہاں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری تھی، اور یہ سواری سادگی اور عجز کی عجب شان کے ساتھ گزر رہی تھی۔ ابوسفیانؓ کی نظر چہرۂ انور پر پڑی تو بولے، "یا رسول اللہ! آپ نے سعد بن عبادہ کی بات سنی ...

فرمایا سعدؓ نے صحیح بات نہیں کہی، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے آج مرحمت و معافی کا دن ہے۔

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ۔

آج کا دن مرحمت اور عفو و کرم کا دن ہے۔

اور فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ سے فوجی علم لے کر ان کے بیٹے کے حوالے کر دیا جائے۔ آپ مکے میں داخل ہوئے تو دنیا کے فاتحوں سے آپ کی شان اور ادا بالکل مختلف تھی، نہ کوئی اکڑ تھی، نہ فخر و تعلّی کے نعرے تھے، نہ جشن کے شادیانے تھے، نہ کسی سے انتقام لینے کی قاہرانہ دھمکیاں تھیں، نہ اقتدار کے نشے کی بدمستیاں تھیں —— بلکہ عجز و انکساری سے آپ کا سر مبارک سواری پر اس طرح جھکا ہوا ہوا تھا، کہ پیشانی مبارک کجاوے کو چھو رہی تھی اور آپ سورۂ فتح کی تلاوت میں مصروف تھے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔

بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کر دی

دریافت کیا گیا حضورؐ کہاں قیام فرمائیں گے، کیا اپنے آبائی مکان میں؟ رقت انگیز لہجے میں جواب دیا، عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ میں اس میں اتروں! عقیل اپنے مکان ابو سفیان کے ہاتھ بیچ چکے تھے —— میں مقام خیف میں قیام کروں گا جہاں قریش نے ہمارے خلاف باہم عہد و پیمان کیا تھا —— مقام خیف میں اترنے کے بعد آپ حرم کعبہ میں داخل ہوئے، جہاں مشرکین نے ۳۶۰ بت نصب کر رکھے تھے۔ آپ ایک ایک بت کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکتے اور یہ پڑھتے جاتے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ۸۱)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو ہے ہی مٹنے کے لیے۔
پھر آپؐ نے بیت اللہ میں نمازِ شکر ادا کی کچھ دیر ذکر و فکر میں مصروف رہے، کعبہ کے باہر عام ہجوم تھا، لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے بے تاب تھے۔ اس وقت آپؐ نے ایک بڑا ہی ایمان افروز خطبہ دیا۔ جو صرف مکے والوں کے لیے نہ تھا بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے تھا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام لشکروں کو اس نے تنہا شکست دی۔

آج فخر و غرور کی تمام باتیں، خون کے سارے دعوے، مال کے تمام مطالبے میرے ان قدموں کے نیچے روند دیئے گئے۔ البتہ بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی کے منصب اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسل و نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا، سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں پھر آپؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(الحجرات ۱۳)

"لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا

اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ آپس میں پہچان
ہو سکے۔ لیکن خدا کی نظر میں سب سے زیادہ عزت و
اکرام والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک
اللہ خوب جاننے والا پوری طرح باخبر ہے۔

خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی ہر طرف سناٹا تھا لوگوں پر حیرت و ہیبت طاری تھی، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے چند سال پہلے آپ کو مکے سے نکالا تھا، ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کو گالیاں اور کوسنے دیئے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے طنز و تشنیع سے آپ کا دل دکھایا تھا، وہ بھی تھے جنہوں نے شانِ رسالت میں گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستے میں غلاظتیں پھینکی تھیں اور کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے پتھر برسا کر آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا کلیجہ چبایا تھا اور جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مدینے میں بھی آپ کو سکون کی سانس نہیں لینے دی تھی، اور وہ بھی تھے جنہوں نے تپتی ریت پر مسلمانوں کو لٹا کر ان کے سینوں پر وزنی پتھر رکھے تھے۔ اور وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر پتھریلی زمینوں پر گھسیٹا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے سید روحوں کو شعب ابی طالب میں قید کر کے کچے چمڑے اور درختوں کی کھال کھانے پر مجبور کیا تھا۔

رحمت عالمؐ نے ان پر ایک نظر ڈالی اور پُر ہیبت لہجے میں پوچھا جانتے ہو آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ بے بسی و ندامت کے عالم میں ہر طرف سے ایک ہی رحم طلب صدا گونجی۔

اَخٌ کَرِیْمٌ وَّ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔

آپ عالی ظرف اور شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

اور رحمت عالم ؐ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

عالی ظرف فاتح نے ان کے جسموں کو تو آزاد کر دیا، مگر ان کے دلوں پر قبضہ کر لیا اور رحمت عالم کا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے —

پھر نماز کا وقت آیا تو موذن رسول حضرت بلال ؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر پُر جوش لہجے میں اذان دی اور خاتم النبیین ؐ نے مرکزِ توحید میں توحید کے پروانوں کو نماز پڑھائی۔

راست باز شریکِ تجارت

ایک صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، صحابہ کرام ؓ نے اپنے ان ساتھی کی بہت تعریف کی۔ خدا کے رسول ؐ نے فرمایا: میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ پھر سائب نے بتایا کہ میں نے ایک عرصے تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت میں تجارت کی ہے، اور میں نے ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ کا کھرا پایا۔

ایک دوسرے صحابی قیس مخزومی نے بھی کچھ عرصے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت میں کاروبار کیا تھا۔ قیس مخزومی کا بیان ہے کہ میں نے معاملات میں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو راست باز اور صادق پایا اور آپ کا معاملہ ہمیشہ صاف رہا۔

مکہ میں سب سے بڑا کاروبار حضرت خدیجہ ؓ کا تھا، مکے سے جب کوئی تجارتی قافلہ چلتا تو صاحب طبقات ابن سعد کے بقول

آدھا مال، اگر تمام مکے والوں کا ہوتا تھا تو آدھا مال حضرت خدیجہؓ کا ہوتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضرت محمدؐ کی راست بازی، حسنِ معاملہ اور امانت و دیانت کا حال سنا تو ان سے درخواست کی کہ اگر آپؐ شام کو میرا مالِ تجارت لے جانا پسند کریں تو میں آپؐ کو منافع کا اس سے دوگنا حصہ دوں گی جتنا دوسروں کو دیتی ہوں۔ حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کی یہ پیشکش قبول فرمائی اور تجارت کا مال لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

خدا کے فضل و کرم سے اس سفر میں کافی نفع ہوا اور کاروبار میں بڑی خیر و برکت ہوئی۔ آپؐ سفر سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ کو سارا حساب سمجھایا۔ خدیجہؓ نے دیکھا کہ اس بار تو خدا کی عنایت سے بڑی ہی خیر و برکت ہوئی ہے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ پھر جب سفر کے ساتھی غلام نے آپؐ کی پاک بازی، دیانت، سچائی اور راست بازی کے حالات سنائے تو حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپؐ کے لیے اور جگہ پیدا ہوئی اور آخر کار اس سفر کے تین مہینے بعد حضرت خدیجہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں نکاح کا پیغام بھجوایا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال کی تھی اور آپؐ اس وقت صرف ۲۵ سال کے تھے خدا کے رسولؐ نے اپنی رضامندی دے دی اور آپؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہو گیا۔

بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مکہ کو فتح ہوئے ابھی ایک ہی دن گزرا تھا۔ خدا کے رسولؐ بڑے جذبے کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ ابن عمیر نے آپؐ کو دیکھا کہ بڑے انہماک اور دلبستگی کے ساتھ آپؐ طواف کر

رستے میں واسے شیطان نے اکسایا، اور وہ آپ کو توبہ توبہ! قتل کرنے کے ناپاک ارادے سے آپ کی طرف چل دیا۔ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ متوجہ ہوئے اور پوچھا، "کیا فضالہ آرہا ہے"؟

فضالہ: "جی ہاں میں فضالہ ہوں"

رسول اللہ: تم کس ارادے سے آئے ہو؟"

فضالہ: "جی کوئی خاص ارادہ نہیں، بس بس اللہ اللہ کر رہا ہوں"۔

رسول اللہ فضالہ کا یہ جواب سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا "فضالہ تم تو کسی اور ارادے سے آئے ہو"۔ فضالہ حیرت زدہ رہ گیا، آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ کہا "فضالہ تم اپنے رب سے اپنے لیے معافی مانگو"، اور آپ نے اس کے سینے پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ دیا۔

فضالہ کہتے ہیں وہ حضورؐ کا ہاتھ رکھنا تھا کہ میرے دل کو عجیب قسم کا سکون اور سرور حاصل ہوا۔ اور میرے دل کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ ابھی چند لمحے پہلے میں جس شخص کو قتل کرنے آیا تھا اب اس کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی تھی، اب میرے لیے رسول اللہ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔ میں کچھ دیر ٹکٹکی باندھے اس عظیم ہستی کو دیکھتا رہا، میرے دل کی روشنی برابر بڑھتی رہی، اور میری روح کو ایسی فرحت حاصل ہو رہی تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں اسی روحانی سرور اور کیفیت کے ساتھ یہاں سے گھر کے لیے واپس ہوا۔ عشق رسولؐ سے سرشار چلا جا رہا تھا، راستے میں وہ محبوبہ مل گئی جس کے پاس میں پہروں بیٹھا کرتا تھا اور جس کی محبت میرے دل کے ریشے ریشے میں پیوست تھی، اس محبوبہ نے حسب معمول دلنواز انداز میں میرا استقبال کیا اور مجھے بلایا۔ ————— میں نے کہا نہیں اب میں تمہارے قریب نہیں آسکتا، میں نے اپنا ہاتھ محمدؐ کے ہاتھ میں دے

دیا ہے۔ اب ان کی محبت کے ساتھ کوئی دوسری محبت جمع نہیں ہو سکتی۔

۲۔ نبوت کا تیرھواں سال تھا، ماہ صفر کی ستائیسویں شب تھی — نہایت ہی تاریک اور بھیانک شب۔ کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر گھیر رکھا تھا۔ فیصلہ یہ تھا کہ جونہی حضورؐ باہر تشریف لائیں گے، سب یکبارگی تلواروں سے حملہ کر دیں گے — اور اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ خدا کے رسولؐ نے الٰہی ہدایات کے تحت اپنے جواں سال بھائی حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے کفار کے گھیرے سے باہر نکل گئے۔ اور وہ قلب و نظر کے اندھے کچھ نہ دیکھ سکے۔ صبح جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ خدا کے رسولؐ تو خدا کی حفاظت میں تشریف لے جا چکے تو دانت پیستے رہ گئے۔ وہ حیران تھے کہ کیا ہوا، اور کیسے ہوا!

کفارِ مکہ نے حضورؐ کے لیے بھاری قیمت مقرر کی اور اعلان کیا کہ جو شخص بھی (نعوذ باللہ) محمدؐ کا سر کاٹ کر لائے گا یا آپؐ کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا، اُسے انعام دیا جائے گا۔ بہت بڑا انعام، سو موٹے تازے اونٹ۔ بہت سے لالچیوں کی رال ٹپکنے لگی، انعام کے لالچ میں سب سے پہلے جو شخص رسول اللہؐ کا پیچھا کرنے کے لیے دوڑا وہ سراقہ بن جعشم تھا۔ خدا کے رسولؐ نے گھر سے چلنے کے بعد ایک غار میں پناہ لی، یہ غار مکے سے تھوڑے فاصلے پر تھا اور غارِ ثور کے نام سے یاد کیا جاتا تھا — خدا کے رسولؐ نے تین دن یہاں قیام فرمایا اور چوتھے دن وہاں سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی اور دوشنبہ کا دن تھا۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ تھے۔ ایک غلام عامر بن فہیرہ تھے، اور راستہ بتانے کے لیے عبداللہ بن

ار لقطہ تھے ان کو رہنمائی کے لیے آپ معاوضہ پر ساتھ لے گئے تھے۔

آپؐ سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے، جب آپ رابغ اور ساحلِ بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے، تو یکایک آپؐ پر سراقہ بن جعشم کی نظر پڑی وہ خوشی سے اُچھل پڑا اور اُس نے اپنا برق رفتار گھوڑا آپؐ کے تعاقب میں ڈال دیا۔ سراقہ سر پر خود رکھے، نیزہ تانے اچکتے ہتھیار بدن پر سجائے، اپنی گھوڑی کو سرپٹ دوڑا رہا تھا ——— اور دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا، کہ اب کامیابی یقینی ہے سو اونٹوں کے لالچ میں اس نے اپنی گھوڑی کو ایک اور ایڑ لگائی، قدرت مُسکرائی اور دوسرے ہی لمحے اس کی صبا رفتار گھوڑی گھٹنوں کے بل زمین پر دھڑام سے گری سراقہ بھی منہ کے بل زمین پر اوندھا گرا مگر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھا گھوڑی کو اُٹھایا، چند قدم ٹہلایا اور پھر کود کر گھوڑی پر سوار ہو گیا۔

خدا کے رسولؐ ذکر و فکر میں مشغول اپنے رب سے لو لگائے، بے فکری کے ساتھ چلے جا رہے تھے، دشمن جب بالکل ہی قریب پہنچا تو آپؐ کو اطلاع کی گئی آپؐ نے ایک نظر سراقہ پر ڈالی اور اپنے خدا سے فریاد کی۔ "اے پروردگار! تو ہمیں اس کے شر سے بچا" ابھی آپؐ کی زبان سے دُعا کا کلمہ پورا ہوا ہی تھا، کہ گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ دھڑام سے زمین پر آ رہا، اور سمجھ گیا کہ خدا نے حفاظت کا خصوصی فیصلہ فرمایا ہے، نہایت عاجزی کے ساتھ اس نے جان کی امان طلب کی، خدا کے رسولؐ نے جان کی امان دی، سراقہ نے کہا، محمدؐ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپؐ کے تعاقب میں آنے والے ہر شخص کو راستے سے ہی لوٹاتا رہوں گا ——— سراقہ وعدہ کر کے پلٹا تو حضورؐ نے فرمایا۔ "سراقہ! اس وقت تمہاری شان و شوکت کا کیا عالم،

ہوگا! جب تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔"

چند سال ہی گزرے تھے، کہ خدا کے رسولؐ کا سر کاٹنے والا یہ سراقہؓ رسولِ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا، یا رسول اللہ! مجھے اپنے غلاموں میں شامل فرمالیجئے۔ خدا کے رسولؐ نے سراقہؓ کو کلمہ پڑھایا ——— اور اس دل دہلا دینے والے واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لائے۔

فاروقِ اعظمؓ کے دور میں جب مدائن فتح ہوا۔ اور کسریٰ کے تاج اور طلائی بیش قیمت زیورات فاروقِ اعظمؓ کے سامنے پیش کیے گئے تو امیر المومنین فاروقِ اعظمؓ نے سراقہؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے، کچھ دیر دیکھتے رہے پھر فرمایا۔ "اللہ اکبر! اس بے نیاز کی بھی کیا شان ہے کہ کسریٰ کے کنگن اس نے عرب کے بدو سراقہؓ کو پہنائے۔

۳۔ ہجرتِ نبویؐ کا تیسرا سال تھا، بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے قریش بے تاب تھے، ایک شخص عمیر ابن وہب حضورؐ کا کٹر دشمن تھا، صفوان ابن امیہ نے اُسے زبردست انعام دیا اور اس مقصد سے مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں جا کر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے (توبہ توبہ) عمیر نے اپنی تلوار زہر میں بجھائی، اور حضورؐ کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے مدینے میں داخل ہوا۔

نبیؐ کے جاں نثاروں نے اس کے تیور پہچان کر اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا چاہا، مگر رحمتِ عالمؐ نے ہرگز گوارا نہ کیا۔ آپؐ نے نہایت شفقت سے عمیر کو اپنے پاس بٹھایا، محبت کے ساتھ اس سے باتیں کیں اور پھر چپکے سے اس پر وہ راز ظاہر فرما دیا جس ارادے سے وہ آیا تھا۔ رحمتِ عالمؐ کی زبان سے یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گیا۔ اس کا

دل دھڑکنے لگا۔ اور سمجھ گیا کہ میری قضا مجھے یہاں لائی تھی۔ اب یہاں سے بچ کر نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ خدا کے رسول نے اس کی کیفیت بھانپ لی۔ اُسے اطمینان دلایا اور فرمایا۔ تم آرام سے رہو یقیناً کوئی تم سے کچھ نہ کہے گا ــــ یہ بے مثال شانِ کریمی دیکھ کر اس کے دل کی گرہیں کھل گئیں۔ نفرت نے محبت کا روپ دھار لیا۔ وہ اندھیرے سے روشنی میں آگیا۔ اپنی پیشانی سے تمام عمر کا پسینہ پونچھا۔ اور کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے کلمہ پڑھا دیجیے اور اپنے جاں نثاروں میں شامل فرما لیجیے۔ عمیر اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر مکے پہنچے اور وہاں اسلام کی دعوت و اشاعت میں لگ گئے۔

ہم رحمتِ عالم کو سفر کرتے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے اور اب وہ مکے سے دور اور مدینے سے قریب تھے۔ قریش نے رسولؐ کو پکڑ کر لانے کے لیے بھاری انعام کا اعلان کیا تھا۔ بریدہ اپنی قوم کا سردار اور سمجھدار آدمی تھا۔ مگر انعام کے لالچ میں رسولؐ کا پیچھا کرنے پر تیار ہو گیا اور اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ آپ کی تلاش میں نکلا تھا راستہ میں ایک دن خدا کے رسول سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اور اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مگر جب خدا کے رسول نے بات چیت کی تو اس کی دنیا بدل گئی ـــــ اور اسی وقت اپنے ساتھیوں سمیت ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے ـــــ رسولِ خدا کے چند جاں نثاروں نے جو بریدہ اسلمی کی قیادت میں تھے ... بریدہ اسلمی نے پگڑی اتار کر اپنے نیزے پر باندھی اور اس کا پھریرا ہوا میں لہراتے اور مدینے کو خوشخبری سناتے ہوئے آگے آگے روانہ ہو گئے۔

"امن کے بادشاہ صلح کے داعی اور عالمِ انسانیت کو عدل و انصاف اور نیکی سے مالا مال کرنے والے تشریف لا رہے ہیں"

خرچ کرو، ماں باپ پر، بہن بھائیوں پر، قریبی رشتہ داروں پر اور
اسی طرح درجہ بدرجہ سارے عزیزوں پر۔

باب چہارم

تعلیم و تربیت

- ایمان والوں پر خدا نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ
- خود انہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا
- جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ہے
- ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے
- اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے

واقعہ یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی

گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

(القرآن)

نبیِ اُمّی کا اصل کام

تعلیم و تبلیغ، وعظ و تلقین اور تربیت و تزکیہ ہی وہ اصل کام ہے جس کے لیے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، قرآن کا ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (الجمعہ ۲)

وہی ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسولؐ خود انہی میں سے اُٹھایا

جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے

اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

خدا، خلقِ خدا اور تاریخ گواہ ہے کہ داعیٔ اعظمؐ نے اپنے اس اصل کام کو جس حُسن و خوبی سے انجام دیا وہ انہی کا حق ہے، میدانِ عرفات میں ڈیڑھ لاکھ انسانوں نے خدا کو گواہ بنا کر اور رو رو کر یہ اعتراف کیا کہ اے رسولؐ! آپؐ نے تبلیغ و تلقین اور وعظ و نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ اور داعیٔ اعظمؐ نے تین بار احساسِ فرض سے بے قرار ہو کر آسمان کی جانب انگلی اُٹھا کر اُمّت کے اس اعتراف پر خالقِ کائنات کو گواہ بنایا۔

تعلیم و تربیت اور تلقین و تزکیہ کا جو عظیم کارنامہ آپؐ نے انجام دیا، اس پر جب ہم غور کرتے ہیں، تو عقل حیران رہ جاتی ہے اور یقین حاصل ہوتا ہے کہ جو کچھ اور جس طرح آپؐ نے کیا، وہ ایک انسان اپنی بصیرت کے بل بوتے پر ہرگز نہیں کر سکتا، دل کی گہرائی سے ماننا پڑتا ہے، کہ جس خدا نے آپؐ کو اس عظیم کام پر لگایا تھا، اس نے خصوصی طور پر اس کام کے لیے آپؐ کو تیار بھی کیا تھا، آپؐ اُمّی تھے، نہ کسی کے شاگرد تھے نہ کسی سے کچھ پڑھا تھا، اور نہ کسی سے کوئی تربیت حاصل کی تھی، خدا ہی نے آپؐ کو بہترین تعلیم دی اور خدا ہی نے اس خدمت کے لیے آپؐ کی خصوصی تربیت فرمائی۔ ایک موقع پر آپؐ نے اظہارِ تشکر اور اعترافِ نعمت کرتے ہوئے فرمایا۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ

مجھے میرے رب نے تعلیم دی اور کیا ہی خوب تعلیم دی

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ

مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور کیا ہی خوب ادب سکھایا۔

آپؐ انسانی فطرت اور انسانی نفسیات اور احساسات کے غیر معمولی نبض شناس تھے، اور خدا نے اس سلسلے میں آپؐ کو غیر معمولی بصیرت عطا فرمائی تھی، انسانی نفسیات انتہائی پیچیدہ ہیں، اس کے جذبات و احساسات نہایت نازک ہیں، نفس کی فریب کاریاں انتہائی پُرپیچ اور حسین ہیں، اور وسوسوں کی ریشہ دوانیاں انتہائی لطیف اور نہ ہی وہ ضدی ہیں، اور راہِ حق کی طرف [illegible] اور اس پر چلنا اور برابر آگے بڑھتے رہنا واقعی بڑا ہی [illegible] کام ہے۔ ——
ان نزاکتوں کے باوجود داعیٔ اعظمؐ نے تعلیم و تلقین اور تربیت و تزکیہ

کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس پر جس قدر غور کریں گے آپ کی عظمت کا احساس بڑھتا جائے گا۔

ذیل میں ہم داعیٔ اعظم کی تعلیم و تربیت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ مختلف موقعوں پر آپ نے اپنی حکمت و بصیرت کے تحت تعلیم و تربیت کے لیے کیا کیا انداز اختیار کیے اور کس طرح دلوں کی دنیا بدلنے میں آپ کو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ انسانی نفسیات و احساسات کی نبض شناسی سے آپ نے کس طرح فائدہ اٹھایا، آپ کی کوششوں میں زبردست انقلابی تاثیر کیوں پیدا ہوئی۔ اور آپ کو اپنا اصل کام بحسن و خوبی انجام دینے میں حیرت انگیز کامیابی کیوں ہوئی۔

مجلس نکاح میں موت کا ذکر

مجلس نکاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر خطبہ میں یہ آیت پڑھتے تھے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۰۲)

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اس حالت میں کہ تم خدا کے فرماں بردار اور مسلم ہو۔

شادی کی مجلس خوشی اور مسرت کی مجلس ہوتی ہے اس وقت خوشی کے جذبات میں انتہائی ہیجان ہوتا ہے —— اور آدمی کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہر طرف سے اسے ایسی باتیں، ایسے خیالات، ایسے تحریکات اور ایسا ماحول میسر آئے جو اس کی مسرتوں میں اضافہ کا باعث

کو اور رنج و غم کے اطیف سارے ہے تھی وہ اپنی اس مجلس کو بوجھل بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ انسانی نفسیات کے ماہروں سے بھی اگر آپ پوچھیں تو کوئی ایک بھی اس حق میں نہ ہوگا کہ شادی کی مجلس میں موت جیسی غم انگیز اور ہولناک چیز کا تذکرہ کیا جائے، مگر انسانی فطرت اور نفسیات کے سب سے بڑے نبض شناس اس پر مسرت موقع پر بھی موت کا ذکر کرتے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ موت کا ذکر بھی اتفاقی طور پر کر دیا ہو، بلکہ بالعموم کرتے ہیں، اس کی حکمت و مصلحت کیا ہے؟ —— حکمت و مصلحت پر ہم اس لیے غور کر رہے ہیں اور اور اس ذکر کی ضرورت کا احساس ہمیں اس لیے ہو رہا ہے کہ دانائے اعظم نے ایسا کیا ہے —— ورنہ ہمارا فیصلہ بھی یہی ہوتا کہ شادی کی پر مسرت مجلس میں موت کا تذکرہ قطعاً بے جوڑ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر غم اور خوشی کے ہنگامی حالات میں ہی انسان کے بھٹکنے حدود الٰہی سے دور جا پڑنے اور اپنے مقام کو بھول جانے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور موت کی یاد ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو چوکنا رکھتی ہے کہ کل خدا کو بھی منہ دکھانا ہے، اور پل پل کا حساب دینا ہے۔ شادی کا موقع خوشی و مسرت کے ہجوم کا موقع ہوتا ہے۔ جذبات میں زبردست ہیجان ہوتا ہے اور قدم قدم پر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی ڈگمگا جائے، ایمان کے تقاضوں کو بھول جائے اور فرمانبرداروں کے بجائے نافرمانوں کی روش اختیار کر لے۔ اس لیے انسانی نفسیات کے سب سے بڑے نبض شناس نے اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرمائی اور مجلس کو یہ تنبیہ کی کہ کیسے ہی ہنگامی حالات ہوں ایمان لانے کے بعد مومن کو مرتے دم تک فرماں برداری کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ مومن کو موت آئے تو اس

عالم میں کردہ خدا کا اطاعت گزار اور مسلم ہو اپنے بات کے میدان میں ذرہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو کل اس کے لیے رسوائی کا باعث ہو۔ پیغمبر کی نگاہ ہمیشہ آخرت کی دائمی کامیابی پر ہوتی ہے، اور یہ کتنے بڑے گھاٹے کی بات ہے کہ آدمی چند لمحوں کی عارضی خوشی کے لیے ابدی زندگی کی ابدی خوشی کو برباد کر دے۔

دین کا صحیح تصور؟

دین کا صحیح تصور کیا ہے؟ یہ محض ایک علمی سوال ہی نہیں ہے نہ اس کا جواب معلوم کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ آپ کی معلومات میں اضافہ ہو، یہ ایک عملی اور بنیادی سوال ہے، اس سوال کا صحیح جواب حاصل کیے بغیر نہ آپ دین کی راہ پر چل سکتے ہیں، نہ اس کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں اور نہ اُس فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں، جس کی خاطر آپ نے دین قبول کیا ہے۔ —— اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپ نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لیے وہ پیغمبرانہ انداز اختیار کیا ہے، جس سے زیادہ مؤثر، عبرت آموز، انقلابی اور دل نشین انداز ممکن ہی نہیں ہے۔

صحابۂ کرام رضی کی ایک نشست میں آپ نے سوال اُٹھایا
أَتَدْرُونَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ جانتے ہو مفلس اور نادار کون ہے؟

صحابۂ کرام رضی نے جواب دیا
اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ۔
ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو اور نہ مال و متاع۔

یہ جواب دینے کے بعد صحابۂ کرام انتہائی اشتیاق، دلچسپی اور حقیقت طلب نگاہوں کے ساتھ متوجہ تھے کہ آخر خدا کے رسول آج کون سی حقیقت ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِیَامٍ وَّزَکٰوةٍ وَّیَاْتِیْ وَقَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَکَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَکَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (مسلم)

"میری امت کا اصل مفلس اور دیوالیہ وہ شخص ہے، جو قیامت کے روز اپنی نمازوں، روزوں اور زکوٰۃ کا توشہ لیے ہوئے خدا کے حضور آئے گا مگر اس طرح آئے گا کہ فلاں شخص کو اس نے گالی دی ہے، فلاں شخص پر تہمت لگائی ہے، فلاں شخص کا مال کھایا ہے، فلاں شخص کا ناحق خون بہایا ہے، اور فلاں کو مارا پیٹا ہے۔ تو اس کی یہ ساری نیکیاں خدا ان فریادی لوگوں پر تقسیم کر دے گا، کچھ اس کو دے گا اور کچھ اُس کو ——— اب اگر اس کی یہ ساری نیکیاں فریاد کرنے والوں پر کی ہوئی زیادتیوں کو تلافی سے پہلے ختم ہو گئیں تو پھر فریاد کرنے والوں کے گناہوں کا وبال اس کے سر ڈال دیا جائے گا۔ اور پھر جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔"

اپنے اُٹھائے ہوئے سوال کے جواب میں آپ نے جو توضیح فرمائی اس

میں سننے اور پڑھنے والوں کو جو چیز بے حد متاثر کرتی ہے وہ آپ ﷺ کا پیغمبرانہ انداز تفہیم ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ موثر، دلنشین اور انقلاب انگیز انداز تفہیم ممکن نہیں ہے —— اس پیرایۂ بیان کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ہر سننے والا لرز جاتا ہے، وہ اپنے انجام کی فکر میں بے قرار ہو کر اپنی زندگی سے اس طرح کی کوتاہیاں اور گندگیاں خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھاڑ دینے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو دین کے اس صحیح تصور کے تحت بنانے سنوارنے کا خوشگوار اور اٹل فیصلہ کرتا ہے —— اور یہ نہایت ہی اہم پہلو ہے، دوسرا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف یہی نہیں کیا کہ امت کو جوں توں حق پہنچانے کی کوشش فرمائی بلکہ حق پہنچانے کے لیے ایسے ایسے موثر، دلنشین اور حکیمانہ انداز اختیار کیے کہ سننے والے اس حق کو اپنے دل کی آواز اور اپنی سب سے بڑی ضرورت سمجھ کر جذب کر لیں، اندرونی جذبے سے وہ اپنی زندگیوں میں خوشگوار انقلاب لانے کی دھن میں لگ جائیں۔ اور حق کو اپنا سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی سرمایہ سمجھ کر اسے لینے کے لیے بے اختیار لپکیں۔

داعی اعظم ﷺ نے دین کا صحیح تصور سمجھانے کے لیے یکبارگی تفہیم شروع نہیں فرما دی بلکہ پہلے ایک سوال اٹھایا، حاضرین سے جواب چاہا، ان کا جواب اطمینان سے سنا، اور پھر جب حاضرین کو پوری طرح اپنی جانب متوجہ پایا اور دل کی زمین ہدایت کا بیج قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئی —— تو آپ ﷺ نے حاضرین کے ذہنوں کو حکمت کے ساتھ دوسری دنیا کی طرف موڑا اور نہایت نفسیاتی انداز میں بتایا کہ مومن کو ہر معاملہ میں آخرت کے نقطۂ نظر سے سوچنا چاہیے۔ دنیا کی خوشحالی

یا غربت یہاں کا ساز و سامان یا فقر و فاقہ تو عارضی ہے ——— اصل میں دیوالیہ اور مفلس وہ شخص ہے جو حشر کے میدان میں خالی ہاتھ رہ جائے۔ پھر آپؐ نے سادہ انداز ہی میں یہ حقیقت نہیں سمجھائی کہ اصل مفلس، میدانِ حشر کا مفلس ہی کیوں ہے، بلکہ آپؐ نے نہایت ہی عبرت انگیز انداز میں خدا کے سامنے حاضری کی ایسی تصویر کھینچی کہ حاضرین تھوڑی دیر کے لیے خود کو میدانِ حشر میں موجود محسوس کرتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ گویا ان کے سامنے ایک بندہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسی بنیادی اور اہم عبادتوں کا توشہ لیے ہوئے خدا کے حضور پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ فریادی بھی اس کا دامن اور گریبان پکڑے ہوئے آتے ہیں یہ فریادی خدا سے فریاد کرتے ہیں کہ پروردگار! اس نے ہمارے حقوق دبائے، ہمارے ساتھ زیادتی کی، ہماری عزت و آبرو لوٹی اور ہمارا دل دکھایا خدا نے ان مظلوموں کی فریاد رسی فرمائی ہے اور پھر یہ دین کے صحیح تصور سے نا آشنا بندہ ان فریادیوں کے گناہوں کی پاداش میں ذلت کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے۔

اس پیغمبرانہ اندازِ بیان کا کمال یہ ہے کہ آدمی بندوں کے حقوق سے لاپرواہی اور ان پر ظلم و زیادتی کا انجام اپنے تصور کی آنکھوں سے دیکھ کر لرز اٹھتا ہے اور بے اختیار جھرجھری لے کر اٹل فیصلہ کرتا ہے کہ اب کبھی خدا کے کسی بندے کا دل نہ دکھاؤں گا۔ کبھی کسی کا حق نہ دباؤں گا۔ اور کبھی کسی کی عزت و آبرو کو بٹہ نہ لگاؤں گا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس خوشگوار فیصلہ تک مخاطب کو پہنچانے میں داعیٔ اعظمؐ کی پیغمبرانہ تفہیم کا بہت بڑا حصہ ہے۔

جو اصل اور اہم حقیقت، آپ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں بٹھانا چاہتے تھے وہ ہے "دین کا صحیح تصور" ——— دین کا صحیح تصور نہ ہو تو زندگی میں

نہ وہ دلکشی اور جامعیت پیدا ہو پاتی ہے جو دین کو مطلوب ہے اور نہ خدا کے نزدیک آدمی دیندار قرار پاتا ہے۔ پھر دیندارانہ زندگی گزارنے کا حاصل ہی کیا اگر آدمی کو آخرت میں فلاح و نجات نصیب نہ ہو۔ دین و دنیا کی تفریق ایک انتہائی گمراہ کن تصور ہے ——— اس غلط تصور کے نتیجے میں ایک شخص خود کو دیندار تصور کرتا ہے، دینداری کے زعم میں مبتلا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ دین سے بہت دور ہوتا ہے، بلکہ دین کی نگاہ میں بدترین مجرم ہوتا ہے اور وہ شخص اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ آخرت کے لیے توشہ تیار کر رہا ہے اور وہاں اس کا دامن بھرا ہوا ہوگا لیکن حقیقت میں وہ دیوالیہ ہوتا ہے اور حشر کے میدان میں خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ ———

ایسا شخص خود بھی دین اور دین کی برکتوں سے محروم ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی زندگی سے دین سیکھنے اور دین کی عظمت محسوس کرنے کے بجائے دین سے بدکنے لگتے ہیں اور یہ غلط تصورِ دین ایسے لوگوں کو بظاہر دینداری اختیار کیے رہنے کے باوجود دین سے بہت دور کر دیتا ہے۔ اس میں شک اور تذبذب کی کیا گنجائش ہے کہ دین میں عبادات کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلامی زندگی کی ساری دلکشی اور رعنائی عبادات ہی کے دم سے ہے، عبادات دین کا ستون ہیں انہیں پر دین کی عمارت قائم ہے اور ان ارکانِ دین کے بغیر دین کے نہ کوئی معنی ہیں اور نہ دین کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے لیکن ان ستونوں پر دین کی عمارت اسی وقت قائم ہوتی ہے جب عبادت کرنے والے کو ان کی اصل روح کا شعور ہو اور وہ دین میں ان کی اصل حیثیت کو سمجھ کر دین کی منشا کے مطابق ان کا اہتمام اور التزام کرتا ہو۔

خدا کے رسولؐ نے اُمت کو دین کے بارے میں جو صحیح تصورات

دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دین در اصل خدا اور بندگانِ خدا کے حقوق کے معتدل امتزاج کا نام ہے ، اور دیندار مسلمان وہ ہے جو خدا اور بندے دونوں کا حق ادا کرتا ہے ——— بات یہ نہیں ہے کہ عبادت کرنے والے بندے کو بندگانِ خدا کے حقوق بھی ادا کرنے چاہئیں ——— یہ انداز بہت ڈھیلا ڈھالا ہے ۔ اس سے اصل حقیقت کی صحیح اور واقعی ترجمانی نہیں ہوتی ۔ جس طرح یہ انداز بیان صحیح نہیں ہے کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے والے کو نماز روزے کا بھی پابند ہونا چاہیے ——— صحیح بات یہ ہے کہ خدا کا حق اور بندے کا حق ایک ہی اسلامی کردار کے دو رُخ ہیں ۔ جس طرح سکے کے دو رُخ ہوتے ہیں ۔ اور یہ کہنے کی بات نہیں ہوتی کہ سکے کا اگر یہ رُخ ہے تو وہ بھی ہونا چاہیے ۔ بلکہ سکہ تو ہوتا ہی وہ ہے جس کے دو رُخ ہوں ۔ اسلامی عقائد کے سرچشمے سے جس طرح عبادات کے اہتمام کا جذبہ اُبھرتا ہے اسی طرح انسانی حقوق کا احساس بھی لازماً پیدا ہوتا ہے اور ایمان باللہ کے عقیدے سے بیک وقت کردار کے یہ دونوں حسین رُخ جنم لیتے ہیں ۔

بندوں کے حقوق غصب کرنے والا بندوں کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرنے والا اگر نماز روزے کا اہتمام کرتا نظر آتا ہے تو یقین کر لیجیے کہ وہ ان عبادات کی روح کو نہیں پا سکا ہے اور وہ دین کے صحیح فہم سے محروم ہے ، اور وہ دین کی اطاعت دین کے منشا کے مطابق نہیں کر رہا ہے ۔ اسی طرح اگر ایک شخص بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کر رہا ہے ۔ لیکن نماز روزہ اور دوسری بنیادی عبادتوں سے یکسر غافل ہے ، تو وہ دین سے محروم ہے اور اس کی یہ زندگی بھی وہ اسلامی زندگی نہیں ہے جو اسلام کو مطلوب ہے ۔

خدا اور بندگانِ خدا کے حقوق کا مثالی احساس اور مطلوب اسلامی زندگی کا وہ پاکیزہ نمونہ ہے جو ہمیں داعیِ اعظم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، گھر کے لوگوں سے مختلف قسم کی گفتگوئیں ہو رہی ہیں اور ایک گونہ گفتگو اور گھریلو ماحول ہے کہ اسی دوران مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے، اذان کی آواز سنتے ہی آپؐ یکایک اس طرح اٹھ جاتے ہیں گویا گھر کے یہ سارے لوگ اجنبی ہیں اور آپؐ کو ان سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ یہ خدا سے حسنِ تعلق کا رُخ ہے۔

دوسرا رُخ دیکھئے۔ آپؐ مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے ہیں۔ دلبستگی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں اور بے اختیار آپؐ کا جی چاہتا ہے کہ قراءت کچھ اور طویل کر دیں، کہ اسی دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، آواز سنتے ہی آپؐ نماز مختصر کر دیتے ہیں کہ ماں کے نازک دل کو بچے کے رونے کی وجہ سے کہیں تکلیف نہ پہنچ جائے ——— یہی دین کا صحیح تصور ہے، اور یہی مطلوب اسلامی زندگی ہے۔ اسلام ایک جامع دین ہے، وہ دنیا اور دین کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے کا روادار نہیں ہے ——— وہ عبادات کے اہتمام کی بھی تاکید کرتا ہے اور بندوں کے حقوق کی مکمل فہرست دے کر ان کے ادا کرنے کا بھی تاکیدی حکم دیتا ہے ——— بلکہ ان کو ادا کیے بغیر نجات کی ضمانت نہیں دیتا اور ایسے نادان دیندار کو حشر کا سب سے بڑا مفلس قرار دیتا ہے۔

صحابہ کرام کے ذہنوں میں دین کا یہ صحیح تصور بٹھانے اور صحیح خطوط پر ان کے ذہنوں کی تربیت کرنے کے لیے آپؐ نے ایک طرف تو یہ حکیمانہ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا اور دوسری طرف اپنے عمل سے انتہائی

سبق آموز اور رقت انگیز نمونے پیش فرمائے ——————

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت بخار میں مبتلا ہیں بخار کی شدت سے بدن جل رہا ہے، سر میں شدید درد ہے، اور تکلیف کے مارے آپؐ نے سر کو کپڑے سے کس کر باندھ رکھا ہے —————— اسی شدید تکلیف اور بیماری میں آپؐ حضرت فضل بن عباسؓ سے کہتے ہیں۔ فضل! مجھے مسجد لے چلو اور لوگوں سے کہو کہ وہ مسجد میں جمع ہو جائیں" حضرت فضلؓ نے آپؐ کو مسجد میں پہنچایا اور مسجد میں لوگ اپنے رسولؐ کی تقریر سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ آپؐ منبر پر تشریف لے گئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا۔

"لوگو! میں تم سے بہت جلد رخصت ہونے والا ہوں۔ لوگو! جس کسی کی پیٹھ پر میں نے کبھی کوڑا مارا ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے میری پیٹھ حاضر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے دنیا ہی میں بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کو کبھی برا بھلا کہا تو میں حاضر ہوں وہ بھی یہیں مجھ سے اپنا بدلہ لے لے اور جس شخص کا میرے ذمہ کوئی بھی مال ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے، اور یہ خوف نہ کرے کہ میں بعد میں اس کی کسر نکالوں گا۔ یہ میری شان کے منافی ہے۔ تم میں سب سے زیادہ مجھے وہ آدمی پیارا ہے جو مجھ سے اپنا حق دنیا ہی میں وصول کر لے۔ یا پھر خوشی خوشی معاف کر دے۔ تاکہ میں اپنے رب کے حضور خوش خوش حاضر ہوں۔

لوگو! تم میں سے جس کسی نے بھی کسی کا حق دبا رکھا ہو وہ اس کا حق لوٹا دے، اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے ورنہ پھر آخرت کی رسوائی کے لیے تیار رہے

—— جہان کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے کہیں زیادہ سخت اور عبرتناک ہوگی۔"

تقریر کا ایک ایک فقرہ یقین و ایمان کی اس کیفیت کو جلا بخشتا ہے —— کہ بندوں کے حقوق سے غافل رہ کر آدمی خدا کے حضور سرخ رو نہیں ہو سکتا۔ آخرت کی فلاح و کامرانی اسی خوش نصیب کا حصہ ہے، جو خدا کا حق بھی پہچانے اور بندوں کا حق بھی اور جو دین کے اس صحیح تصور کے ساتھ زندگی گزارے کہ خدا سے بھی بہترین تعلق قائم رکھے اور بندوں سے بھی، خدا کا شکر گزار بندہ بھی رہے اور بندوں کے لیے رحمت و شفقت کا پیکر بھی

جذبہ شکر بیدار رکھنے کی تدبیر

ایمان کی راہ پر چلنے کے لیے ناگزیر ہے کہ آدمی کا جذبۂ شکر بیدار رہے اور ناشکری کا جذبہ پیدا ہونے پائے خدا کے رسول نے اس جذبہ کو بیدار رکھنے کی انتہائی حکیمانہ تدبیر بتائی ہے، ارشاد ہے۔

اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (صحیح مسلم)

"ان لوگوں کو اپنے سامنے رکھا کرو جو دنیوی جاہ و منصب اور مال و دولت میں تم سے نیچے ہوں، اور ان لوگوں کو اپنے سامنے نہ رکھا کرو جو مال و دولت، ساز و سامان اور جاہ و مرتبے میں تم سے اونچے ہوں، تاکہ خدا نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے، وہ تمہاری نظر میں حقیر نہ ہو۔"

انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ عام طور

سے دین کے معاملے میں قناعت پسند ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ اونچا اٹھنے کے بجائے یا تو بہت تھوڑے پر ہی مطمئن ہو جاتا ہے یا پھر اس راہ کے کمزور مسافروں کو سامنے رکھ کر اس راہ میں چند قدم چلنے کی ہمت بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ دنیا کی تعمیر و ترقی کا بہت زیادہ حریص ہوتا ہے، اور یہ حرص کسی مرحلے میں بھی کم نہیں ہوتی بلکہ برابر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، دنیا کے معاملے میں وہ اپنے سے نیچے کے لوگوں کو دیکھ کر تو قناعت اختیار کرتا ہے اور نہ یہ دیکھ کر کہ بہت سے لوگ دنیا کے حصول میں اس سے بہت زیادہ پیچھے ہیں خود اس معاملے میں کوئی کمزوری اپنے لیے پسند کرتا ہے، دین کے معاملے میں قناعت کے لیے دلائل تلاش کرتا ہے اور دنیا کے معاملے میں عقل مزید ترقی کی برابر بڑھوتری میں لگا رہتا ہے ——— نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی اسے دنیا کا مال و دولت یا جاہ و منصب میسر ہوتا ہے اسے وہ حقیر سمجھتا ہے اور اپنے سے آگے کے لوگوں کو سامنے رکھ کر ان جیسا بننے بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی فکر میں دوڑ رہتا ہے۔ خدا نے اسے جو کچھ دے رکھا ہے اس کو حقیر سمجھ کر اس کی ناقدری کرتا ہے، اور ناشکری کے جذبات سے مغلوب ہو کر ناشکرا بن جاتا ہے۔

خدا کے رسول نے ناشکری کے جذبات سے محفوظ رہنے اور شکر کے جذبات کو بیدار رکھنے کے لیے بڑی ہی حکیمانہ اور نفسیاتی تدبیر بتائی ہے اس تدبیر کو اختیار کرنے کی اہمیت یہ ہے کہ شکر کا جذبہ ہی آدمی کو ایمان کی دولت سے مالا مال کرتا ہے شکر کا جذبہ ہی آدمی کو خدا اور بندوں کے حقوق کا شعور دیتا ہے، اور شکر کا جذبہ ہی آدمی کو خدا کی راہ پر چلانے کا داخلی محرک بنتا ہے، ناشکری کا جذبہ

کی راہ پر لے جاتا ہے، خدا اور بندوں کے حقوق سے غافل کرتا ہے۔ استغنا کی نہ ختم ہونے والی حرص اُسے خدا اور خلقِ خدا دونوں کی نظر میں میں ذلیل اور رسوا کر کے چھوڑتی ہے۔

توبہ کی ترغیب کا اعلیٰ انداز

بندۂ صالح وہ نہیں ہے جو اس زعم میں مبتلا ہو کر بس تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعلیٰ مدارج طے کر رہا ہو، بلکہ بندۂ صالح وہ ہے جو ہر وقت اپنے گناہوں سے لرزتا رہتا ہو اور بار بار خدا کے حضور گڑگڑاتا اور توبہ و استغفار کرتا ہو، مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ توبہ کرنے والا ہو۔ خدا کے رسول جو ہر گناہ اور لغزش سے محفوظ اور معصوم تھے، وہ بھی دن میں سو سو بار توبہ کرتے تھے۔

ایک بار آپ صحابۂ کرامؓ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا چاہتے تھے کہ خدا کی نظر میں توبہ بے حد محبوب ہے، اور بندوں کی توبہ سے خدا کو بے پناہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو آپ نے ایک بصیرت افروز تمثیل کے ذریعے اس طرح واضح کیا کہ آج بھی وہ تمثیل سنیے تو دل و دماغ اپنے رب کی خوشی محسوس کرنے لگتے ہیں آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ
يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ
بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ
وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ
فِيْ ظِلِّهَا وَقَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ
كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ

بِخَطَايَاهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ
اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ

(صحیح مسلم)

جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے اس قدر زیادہ خوش ہوتا ہے کہ خدا کی خوشی اس شخص سے بھی زیادہ ہوتی ہے جس کی سواری کا اونٹ کسی آب و گیاہ ریگستان میں کھانے پینے کے تمام سامان کے ساتھ کھو جائے۔ پھر وہ تلاش و جستجو کے بعد اس سے مایوس ہو جائے اور کسی درخت کے سایے میں آ کر اس طرح پڑ جائے کہ اب اسے اونٹ کے ملنے کی توقع ہی نہ ہو۔ اسی دوران جب کہ وہ مایوس پڑا ہوا ہو یکایک اس کی سواری کا اونٹ آ کر اس کے پاس کھڑا ہو جائے۔ تو وہ ایک دم اُٹھ کر اس کی رسّی پکڑ لے اور بے پناہ خوشی میں مدہوش ہو کر یہ غلط سلط کلمات کہے، اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں (بے پناہ خوشی میں اُسے کچھ پتہ نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے)

ایک آب و گیاہ ریگستان کا تصور کیجیے جہاں دور دور تک نہ پینے کے لیے پانی ہے اور نہ کھانے کے لیے کھانے کی کوئی چیز آدمی کے زندہ رہنے کے لیے پانی اور کھانا جو کچھ ہے وہ اس کے گم ہونے والے اونٹ پر رکھا ہے اور وہ شخص کسی درخت کی جڑ میں سستانے کے لیے ذرا سہارا لے کر اونگھ جاتا ہے، اور جب آنکھ کھول کر دیکھتا ہے تو اونٹ غائب ہے، اور کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ غائب ہے، وہ اِدھر اُدھر دوڑ دوڑ کر تلاش کرتا ہے لیکن سواری کا کہیں پتہ نہیں

چلانا ـــــ جنگل میدان اور ریگستانی صحرا ہے اب نہ پینے کے لیے میلوں تک پانی ہے اور نہ کھانے کے لیے دور دور تک کوئی چیز وہ اپنی زندگی سے مایوس ایک درخت کے نیچے لیٹ جاتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اب اس ریگستان میں وہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دے گا۔ موت کا خوفناک سایہ اُسے ہر طرف نظر آتا ہے، اور وہ شدّتِ خوف و یاس سے آنکھیں بند کر کے مرنے کے لیے پڑا رہتا ہے۔ کہ پھر اُسے اونگھ آجاتی ہے ـــــ اور چند لمحوں میں پھر اس کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا اونٹ اس کے سامنے کھڑا ہے اور کھانے پینے کا سارا سامان اس کی پیٹھ پر رکھا ہے ـــــ اس شخص کی خوشی کا کون اندازہ کر سکتا ہے، وہ شخص خوشی سے اس قدر مدہوش ہوتا ہے کہ جذباتِ شکر سے سرشار ہو کر وہ کہنا کچھ چاہتا ہے اور اس کی زبان سے نکلتا کچھ ہے ـــــ اس شخص کی اس بے حد و حساب خوشی کا تصور کیجیے اور پھر مربیِ اعظم ﷺ کے اس ارشاد پر غور کیجیے کہ خدا کو اس شخص سے بھی کہیں زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب اس کا کوئی کھویا ہوا گمراہ بندہ پھر اس کی طرف لوٹتا ہے اور یہ کھویا ہوا بندہ گناہ اور سرکشی کے ریگستان میں مارا مارا پھرنے کے بعد جب پھر خدا کے حضور پلٹتا اور گڑگڑا کر اس کے حضور توبہ کرتا ہے۔

خدا کی بے پناہ خوشی، اور اس کی نظر میں توبہ کی بے انداز مقبولیت کا تصور کرانے کے لیے یہ تمثیل ایک عجیب و غریب شاہکار ہے ـــــ توبہ کا شوق دلانے کے لیے اس سے زیادہ موثر، جذبات انگیز اور دل کو پگھلا دینے والا انداز ممکن نہیں، کیا حال ہوگا ان خوش نصیبوں کے جذبات اور شوقِ توبہ کا جنھوں نے خود زبانِ رسالت مآب سے یہ تمثیل سنی ہوگی! ـــــ جب کہ آج بھی اس تمثیل میں یہ انقلابی قوت

موجود ہے، کہ اس سے دلوں کی دنیا بدل سکتی ہے۔

تفہیم و تعلیم کا پیغمبرانہ انداز

۱۔ خزاں کے موسم میں پیڑوں کے سوکھے اور پیلے پتے جھڑتے کس نے نہ دیکھے ہوں گے جب بھی یہ منظر سامنے آتا ہے آدمی کوئی خاص دھیان دیئے بغیر یوں ہی گزر جاتا ہے کہ خزاں میں پتوں کا جھڑنا عام معمول ہے۔ مگر خدا کے رسولؐ ان چیزوں کو پیغمبرانہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ عام انسانوں کی طرح ان چیزوں سے یونہی نہیں گزر جاتے، بلکہ ہر ہر چیز پر عبرت اور سبق آموزی کی نظر ڈالتے ہیں، ان کا ذہن یہ سب کچھ دیکھ کر اونچی حقیقتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور وہ روزمرہ کے ان واقعات کو مثال بنا کر دین کی بڑی بڑی حقیقتیں اس طرح سمجھاتے ہیں، کہ بات دل میں پیوست ہو جاتی ہے۔

نماز انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے اس حقیقت کو سمجھانے کا پیغمبرانہ انداز دیکھئے — ایک بار آپؐ نے خزاں رسیدہ درخت کی ایک ٹہنی جھاڑ کر یہ حقیقت دلنشین کرائی، اور یہ واقعہ ہے کہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لیے یہ بہت ہی موثر اور بلیغ مثال ہے۔ ہوا یہ کہ ایک بار آپؐ سردی کے موسم میں گھر سے باہر تشریف لائے۔ خزاں کا موسم تھا، اور پیڑوں سے پتے جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر زور زور سے ہلائیں، کہ دم بھر میں پیڑ کے پتے جھڑنے لگے۔ یہ منظر دکھا کر آپؐ نے اپنے جاں نثار صحابی حضرت ابو ذرؓ کو مخاطب کیا، "ابو ذر!"

ابو ذرؓ نے کہا: "جی حضورؐ حاضر ہوں!"

آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (مسند احمد)

جب کوئی مسلمان بندہ یکسوئی کے ساتھ خالص رضائے الٰہی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جھڑ کر گر جاتے ہیں جس طرح یہ خزاں رسیدہ پتے اس درخت سے جھڑ رہے ہیں۔

نماز انسان کی زندگی کو گناہوں سے بالکل پاک صاف کر دیتی ہے اس حقیقت کو سمجھانے اور دلوں میں اتارنے کے لیے اس سے زیادہ اثر انگیز بلیغ اور انقلابی انداز کا انسان تصور نہیں کر سکتا اور پھر یہ کہ ذہن و فکر اور علم و بصیرت کے اعتبار سے آدمی کسی سطح کا ہو، یہ مثال نہایت آسانی سے اس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

۲۔ حقیر، بے مصرف اور مردہ جانور کس نے نہ دیکھے ہوں گے ـــــــ اکثر لوگ دیکھتے ہیں اور یونہی گزر جاتے ہیں۔ ذرا دھیان نہیں دیتے۔ مگر خدا کے رسولؐ کے لیے وہ بھی عبرت کا سامان ہے اور آپ اسے دیکھ کر بھی ایک عظیم حقیقت کی طرف لوگوں کو متوجہ فرماتے ہیں۔

خدا کی نظر میں اس حقیر دنیا کی کوئی قیمت نہیں ہے، یہ بات آپ نے صحابہ کرامؓ کو بارہا سمجھائی ہوگی، مختلف انداز سے سمجھائی ہوگی۔ لیکن ایک موقع پر آپ نے یہ حقیقت عجیب و غریب انداز سے ذہن نشین کرائی۔

آپ بازار میں تشریف لے جا رہے تھے، جاں نثار صحابہ بھی دائیں بائیں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں آپؐ نے دیکھا کہ بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا ہے، اس کا کان کٹا ہوا ہے، آپؐ نے بکری کے اس مردار

بچے کو کان سے اُٹھایا اور صحابہ کرام رضی سے پوچھا۔

أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟

تم لوگوں میں سے کون اس مردہ بچے کو ایک درہم میں لینا پسند کرتا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا:۔

مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهٖ

ہم تو کسی بھی چیز کے عوض اسے لینا پسند نہیں کریں گے۔ آخر ہم اس کا کریں گے کیا — ؟

پھر آپؐ نے فرمایا:۔

أَتُحِبُّوْنَ أَنَّهُ لَكُمْ

اچھا تم یہ چاہو گے کہ یہ مُردار تمہارا ہو؟

صحابہ کرام رضی نے کہا:۔

وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا إِنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ هُوَ مَيِّتٌ۔

خدا کی قسم اگر یہ زندہ ہوتا تو بھی کن کٹا عیب دار تھا اور اب تو یہ مُردار ہے، بھلا یہ کس کام کا ہے کہ کوئی اس کی خواہش کرے۔

مُردار کن کٹے بچے کے متعلق اس سوال و جواب کے ذریعے جب آپؐ نے ذہنوں کو پوری طرح تیار کر لیا، تو آپؐ نے وہ اصل بات کہی جس کے لیے آپؐ نے یہ تمہید اُٹھائی تھی۔ اور پھر وہ بات بھی آپؐ نے سادہ انداز ہی نہیں کہی بلکہ یقین کی پوری قوت سے خدا کو گواہ بنا کر اور اسی کی قسم کھا کر نہایت زور دے کر فرمایا:۔

فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔

خدا کی قسم یہ دنیا خدا کی نظر میں اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل ہے جتنا یہ بکری کا مردار بچہ تمہاری نظر میں حقیر اور ذلیل ہے۔

خطابت کا شاہکار

حنین کے معرکے میں ابتدائی شکست کے بعد خدا نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا اور وہ فاتح بن کر وہاں سے لوٹے خدا کے رسول نے حکم دیا کہ سارا مالِ غنیمت جعرانہ کے مقام پر محفوظ کر دیا جائے، اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا۔ چوبیس ہزار اونٹ تھے، چالیس ہزار سے بھی زیادہ بکریاں تھیں، ہزاروں تولے چاندی تھی اور تقریباً چھ ہزار قیدی پکڑ کر لائے گئے تھے——

مکہ کو فتح ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مکے کے بہت سے سربرآوردہ اور ممتاز لوگ اسلام لے آئے تھے لیکن ابھی تک ان کے دل پوری طرح اسلام کے لیے کھلے نہ تھے۔ ابھی تک ان کے ایمان میں کچھ کمزوری تھی، اور ضرورت تھی کہ ان کی دل جوئی کی جائے تاکہ ان کے یقین میں پختگی آسکے اور ان کو شرح صدر کی دولت نصیب ہو۔ قرآن میں ایسے ہی لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے، اور زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھا گیا ہے—— اس موقع پر خدا کے رسول نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت و حکمت سے کام لے کر ان لوگوں پر اس قدر انعام و اکرام کی بارش کی کہ مالِ غنیمت کا زیادہ سے زیادہ حصہ انہیں لوگوں کو دے دیا۔

انصار کو یہ بات بہت کھلی، اور آخر دلوں کی بات زبان پر آگئی—— کہ رسول کو خدا معاف فرمائے کہ سارا مالِ غنیمت قریش کو دے دیا

دیا اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے ——— جب کہ ہماری تلواروں سے سُرخ
خون کے قطرے ابھی تک ٹپک رہے ہیں، جب پریشانی اور مشکلات
پیش آتی ہیں تو ہماری یاد آتی ہے اور جب تقسیم کا وقت آتا ہے تو
غنیمت کا مال دوسروں کو ملتا ہے" ——— انصار کے کچھ نوجوان اپنے مجروح
جذبات کا اظہار کر ہی بیٹھے۔

خدا کے رسولؐ کے کانوں میں بھی یہ باتیں پہنچیں۔ آپؐ کو بڑا دکھ ہوا
کیسے نہ ہوتا، انصار تو آپؐ کے انصار تھے، اور آپؐ کے دل میں ان
کے لیے بے پناہ درد تھا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ بڑا چرمی خیمہ نصب کیا
جائے، اور مجاہدینِ اسلام جمع ہو جائیں، خدا کے رسولؐ ان سے خطاب
فرمائیں گے۔

مجاہدینِ اسلام فوراً ہی خیمہ میں جمع ہو گئے۔ خدا کے رسولؐ اسٹیج پر
تشریف لائے آپؐ نے ایک نظر مجمع پر ڈالی، اور پھر انصار کی جانب
متوجہ ہو کر سوال کیا۔

"کیا تم نے یہ کہا ہے کہ مالِ غنیمت مکے کے قریش کو دے دیا گیا
اور ہم محروم رہ گئے؟"

صحابہؓ دم بخود تھے، انصار کے کچھ بزرگ اٹھے اور کہا "حضورؐ! یہ
حقیقت ہے کہ اس طرح کی باتیں کہی گئی ہیں، لیکن یہ کچھ ناسمجھ نوجوانوں اور
نوعمروں کی باتیں ہیں، سمجھدار اور معتبر سرداروں نے ایسی کوئی بات نہیں
کہی ہے" اس سوال و جواب کے بعد خدا کے رسولؐ نے ایک ایسا
مؤثر، بلیغ اور رقت انگیز خطبہ دیا، جو فکر و نظر فصاحت و بلاغت، رقت و
سوز، اور انقلابی تاثیر کا شاہکار ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"اے گروہ انصار! کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم سیدھی راہ سے
بھٹکے ہوئے تھے۔ خدا نے میرے ہی ذریعے تمہیں ہدایت سے نوازا،

تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ہی ذریعے تم کو متفق اور متحد کیا اور تم ایک کلمہ پر جمع ہوئے تم نادار اور مفلس تھے میرے ہی ذریعے خدا نے تم کو خوش حال اور مال دار بنا دیا۔"

آپؐ جوش و جذبے میں کہے جا رہے تھے، اور انصار دل کی گہرائیوں سے کہتے جاتے تھے "خدا کے رسولؐ کا ہم پر بڑا احسان ہے خدا کے رسولؐ بڑے امین ہیں" انصار کے لوگ اونچی آواز میں اعتراف کر رہے تھے۔

انصار کی طرف سے یہ جواب سن کر آپؐ کی آواز اور بلند ہوئی اور آپؐ نے جوشِ محبت میں کہا۔

اے گروہ انصار! تم کیوں نہیں کہتے کہ "اے محمدؐ! جب لوگوں نے تمہیں جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی، جب لوگوں نے تمہیں بے سہارا چھوڑ دیا تو ہم نے تمہاری مدد کی، جب لوگوں نے تمہیں گھر سے بے گھر کیا تو ہم نے تمہیں پناہ دی، اور تم نادار اور حاجت مند تھے، ہم نے دل و جان سے تمہاری مدد کی۔"

آپؐ کا جوش اور بڑھا اور فرمایا۔

"انصار! تم یہ کہتے جاؤ۔ اور میں جواب میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو، تم سچ کہتے ہو۔"

اب آپؐ کی آواز میں رقت پیدا ہوئی، آنکھوں میں محبت کی چمک اور بڑھی اور آپؐ نے بڑے والہانہ انداز میں فرمایا۔

اے انصار!

کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ تو اونٹ بکریاں لے کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں، اور تم اپنے نبی محمدؐ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر لوٹو؟

داعیِ اعظم کے یہ رقت انگیز کلمات سن کر انصار کی چیخیں نکل گئیں اور پکار اٹھے، رضینا، رضینا، ہم بالکل راضی ہیں، ہمیں صرف محمد درکار ہیں۔ اور انصار میں سے بیشتر کا حال یہ تھا کہ ان کی ہچکی بندھ گئی اور روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔

رسولِ خدا کی پھر آواز بلند ہوئی اور فرمایا۔

خدا کی قسم تم لوگ جس ہستی کو لے کر اپنے گھروں کو لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں گے۔

اور انصار اس بے مثال نعمت اور بے پناہ محبت پر خوشی سے جھوم اٹھے۔

فکر و نظر کی تربیت

مربیِ اعظم کی مجلسیں بڑی فکر انگیز اور علمی ہوتی تھیں، مگر فکر و نظر کا رخ ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ حاضرین دینی امور میں دلچسپی لیں، اسلامی سوجھ بوجھ بڑھائیں اور ذہن و فکر کو اسلامی حقائق کے سمجھنے سمجھانے اور اپنی عاقبت سنوارنے میں لگائیں، کبھی آپ خود کوئی سوال اٹھا دیتے اور لوگوں کو اپنی جودتِ فکر آزمانے اپنی اصابتِ رائے کے جوہر دکھانے اور اپنی دینی معلومات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا موقع فراہم کرتے، کبھی کوئی اہم حقیقت سمجھانے کے لیے آپ خود کوئی ایسی بات فرما دیتے کہ لوگ سوال کریں، اور پھر آپ ان کی علمی پیاس اس طرح بجھائیں کہ وہ جو کچھ سنیں اسے اچھی طرح جذب کر لیں کبھی آپ موقع دیتے، کہ لوگ خود باہم بحث و مذاکرہ کریں اور پھر آپ صحیح بات تک پہنچنے میں ان کی رہنمائی کریں کبھی کوئی غلط موضوع چھڑ جاتا تو آپ سختی سے روکتے، غیظ و غضب کا اظہار

فرماتے، اور فکر و نظر کی اس طرح تربیت فرماتے، کہ آئندہ لوگ ایسے غیر ضروری موضوعات میں اپنے ذہن و فکر کو نہ لگائیں۔

ایک بار آپؐ مسجد نبوی میں تشریف لائے صحابہ کرامؓ کی دو مجلسیں جمی ہوئی تھیں، ایک مجلس میں علمی موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی اور دوسری مجلس میں لوگ تلاوت قرآن اور ذکر و دعا میں مشغول تھے، آپؐ نے دونوں مجلسوں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا، دونوں ہی نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں لیکن میں معلم ہوں، تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا ہوں، یہ کہہ کر آپؐ علمی مجلس میں بیٹھ گئے۔

ایک بار آپؐ نے فرمایا:۔

إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ

انسانوں میں کچھ اللہ والے ہیں

آپؐ کے ارد گرد جو لوگ بھی جمع تھے، اسی مقصد کے لیے اور اسی آرزو میں جمع تھے، کہ وہ اللہ والے بن جائیں۔ فطری طور ان کی فکر و نظر کو مہمیز لگی اور ان کا جذبۂ شوق جاگ اٹھا، کہ پیغمبرؐ کی زبان سے یہ سنیں کہ اللہ والوں کی علامت کیا ہے معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم راست انداز میں بھی یہ بتا سکتے تھے کہ اللہ والوں کی پہچان یا علامت یہ ہے، مگر آپؐ نے ایسا انداز اختیار فرمایا، کہ زیر تربیت افراد سراپا اشتیاق بن کر خود سوال کریں، چنانچہ انہوں نے خود بے تابانہ سوال کیا۔

مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟

اے اللہ کے رسولؐ اللہ والے کون لوگ ہیں

صحابہ کرامؓ کی زبان سے یہ سوال سننے کے بعد آپؐ نے وضاحت فرمائی:۔

أَهْلُ الْقُرْآنِ هُمْ أَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ۔

قرآن والے ہی اللہ والے اور اس کے مخصوص بندے ہیں۔
"قرآن والے" سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کے پڑھنے پڑھانے
سیکھنے سمجھانے میں لگے رہتے ہوں، اور اس سے ایسا شغف رکھتے
ہوں کہ اس پر غور و فکر کرنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بنانے ہی
میں لگے رہتے ہوں۔

۳۔ ایک بار آپؐ نے ایک نشست میں حاضرین مجلس سے پوچھا۔
"بتاؤ۔ وہ کون سا درخت ہے جو سدا بہار ہے کبھی اس کے پتے نہیں
جھڑتے، مسلمان کی مثال یہی درخت ہے۔"

صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق بہت سے جنگلی درختوں
کے نام لیے فاروق اعظمؓ کے فرزند حضرت عبداللہ بھی مجلس میں
موجود تھے۔ یہ اس وقت نوعمر تھے۔ کہتے ہیں میرے ذہن میں بار بار خیال
آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، کھجور کے پتے ہی کسی موسم میں نہیں جھڑتے۔
مگر ہمت نہیں ہوئی کہ بزرگوں کے سامنے میں بڑھ کر بولوں۔"

جب لوگ کوئی صحیح جواب نہ دے سکے تو سب نے خدا کے
رسول سے درخواست کی کہ آپ ہی بتائیں۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "مجھے
ساری زندگی یہ حسرت رہی کہ کاش میں نے دل کی بات ظاہر کردی ہوتی۔"
فاروق اعظمؓ نے اپنے ہونہار فرزند سے کہا اگر تم اس مجلس میں یہ بات
کہہ دیتے تو مجھے اس قدر خوشی ہوتی کہ مال و دولت کے ڈھیر ملنے
سے بھی نہ ہوتی۔

۴۔ آپؐ کی مجلس میں ایک بار دو افراد میں بحث چھڑ گئی، بحث میں
دوسرے شرکاء مجلس نے بھی دلچسپی لی، ایک صاحب بولے اگر ہم
دشمن کے مقابلہ میں مصروف جنگ ہوں، اور ہم میں سے کوئی دشمن

پر حملہ آور ہو کر اُسے للکارے "لینا میرا وار میں غفاری جوان ہوں" تو جنابیئے ایسے مجاہد کے لیے اجر و ثواب ہے یا نہیں ——— ایک نے جواب دیا نہیں ایسے شخص کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں دوسرے نے کہا میرا خیال ہے میدانِ جنگ میں اس طرح للکارنے میں کوئی حرج نہیں۔ خدا کے رسول نے بھی یہ گفتگو سماعت فرمارہے تھے آپ نے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا "اظہارِ شجاعت اور اجر و ثواب میں کوئی ٹکراؤ نہیں"۔

۵۔ ایک بار مجلس میں تقدیر کے موضوع پر بحث چھڑ گئی۔ تقدیر کا مسئلہ انتہائی نازک ہے، آپ کے کان میں آواز پہنچی۔ تو آپ حجرے سے باہر نکل آئے۔ غصے سے آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا گویا کسی نے رخسارِ مبارک پر انار کے دانے نچوڑ دیئے ہوں ——— آپ نے حاضرینِ مجلس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"کیا تمہیں اسی لیے پیدا کیا گیا ہے؟ قرآن کی آیتوں کو باہم ٹکرا رہے ہو؟ پچھلی امتیں انہی اختلافات کے باعث ہلاک کی گئیں"۔

تقدیر کے سلسلہ میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب ہر شخص کی تقدیر پہلے سے ہی لکھ دی گئی ہے تو اب کچھ کرنے کرانے سے کیا حاصل؟ خدا کے رسول نے ایک مجلس میں اس غلط اندازِ فکر کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا "اعمال بھی تو تقدیر میں لکھے ہوتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا پر توکل کے یہ معنی لیے جائیں کہ عمل کرنا بے کار ہے"۔

ایک موقع پر آپ جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے صحابۂ کرام نے دیکھا تو پروانہ وار آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی

جس سے آپؐ زمین کو کریدنے لگے۔ اور فرمایا "کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جس کے لیے جنت یا جہنم میں ٹھکانا لکھ نہ دیا گیا ہو۔"

یہ بات سن کر ایک صحابی نے اپنی الجھن پیش کی اور کہا "یارسول اللہ! جب پہلے سے ہر ایک کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھ دیا گیا ہے تو پھر ہم کس لیے عمل کریں، ہم نوشتۂ تقدیر پر توکل کر کے کیوں نہ بیٹھ رہیں، جس کی تقدیر میں سعادتمندی ہوگی وہ خود بخود سعادتمندوں میں شامل ہو جائے گا اور جس بدنصیب کی تقدیر میں بدبختی ہوگی وہ بدبختوں میں خود بخود جا ملے گا۔

مربیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کی الجھن کے جواب میں فرمایا سعادتمند وہ ہے، جس کو سعادتمندی کے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے اور بدبخت وہ ہے جس کیلئے بدبختی کے اعمال و افعال کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔[۱]

اسی طرح اگر کبھی آپ یہ محسوس فرماتے کہ آپؐ کے زیرِ تربیت افراد دین کا منشا سمجھنے میں کوتاہی کر رہے ہیں اور ذہن صحیح رخ پر کام نہیں کر رہا ہے تو آپؐ انتہائی موثر اور حکیمانہ انداز میں ذہن و فکر کی تربیت فرماتے اور دین کا صحیح منشا واضح فرما دیتے۔

۶۔ ایک بار کچھ صحابی کسی سفر سے واپس آنے کے بعد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ایک ساتھی کی بہت تعریف کرنے لگے کہ وہ فلاں ساتھی تو بہت ہی نیک ہے، ایسا نیک تو ہم نے کسی کو پایا نہیں، سفر کے دوران یہ مسلسل قرآن کی تلاوت میں لگے رہتے، اور جب بھی ہمارا قافلہ کسی جگہ پڑاؤ ڈالتا یہ صاحب

---

[۱] بخاری ج ۲

کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہ دیتے بس نوافل و اذکار میں
مشغول ہو جاتے۔"

صحابہ کرامؓ کا یہ ذہن سامنے آ جانے کے بعد آپؐ نے ضروری
سمجھا کہ فکر و نظر کی تربیت کی جائے۔ اور آپؐ نے بڑے ہی حکیمانہ
انداز میں صحابہ کرامؓ سے دو سوال کر کے دورانِ سفر کی دوسری اہم
ذمہ داریوں کی اہمیت واضح فرمائی، آپؐ نے پوچھا۔

"پھر اس کے سامان کی حفاظت کون کرتا تھا، اور اس کے اونٹ
کو چارہ پانی کون دیتا تھا؟"

صحابہ کرامؓ بولے "ہم سب اس کے سامان کی حفاظت کرتے
تھے اور ہم ہی اس کے اونٹ کو چارہ پانی دیتے تھے۔"

صحابہ کرامؓ کا یہ جواب سن کر آپؐ نے فیصلہ کن انداز میں ایک
ایسی بات کہی کہ اُن کی آنکھیں کھل گئیں آپؐ نے فرمایا۔

"تب تو تم لوگ اس سے بہتر ہو۔"

یہ فیصلہ دے کر در اصل اُن کو بتایا کہ اسلام کو ذکر و فکر اور ورد و
وظائف کی کوئی ایسی مشغولیت ہرگز مطلوب نہیں ہے جس کی وجہ
سے آدمی اپنی دوسری ساری ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے۔ یہ
یک رخا انداز فکر و عمل دین کے منشا کے خلاف ہے۔ دین اور دنیا کی
ذمہ داریوں سے فرار کو پسند نہیں کرتا بلکہ دنیا کی ذمہ داریوں کو مثالی
انداز میں پورا کرتے ہوئے آخرت کو کامیاب بنانے کا سبق دیتا ہے۔

ہجوم غم میں تلقین کا انداز

حضرت معاذؓ یمن کے گورنر تھے انہیں یمن ہی میں ان کے لڑکے کا وفات پا
گیا۔ خدا کے رسولؐ نے اپنے محبوب صحابی کے غم میں شریک ہو کر

ان کو تعزیت کا خط لکھا، اس خط میں تسلی اور تسکین کا سامان بھی ہے اور یہ تلقین بھی کی کہ رنج و غم میں ایک مومن کو کس طرح سوچنا چاہیے۔ آپ نے لکھا:۔

"خدا کے نام سے جس کی رحمت ہر آن جوش میں ہے اور جس کی رحمتیں مسلسل ہیں، یہ مکتوب خدا کے رسول محمدؐ کی جانب سے معاذؓ بن جبل کے نام ہے۔

میں خدا کا شکر اور اس کی حمد کرتا ہوں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم بھی اللہ کا شکر اور اس کی تعریف کرو۔

خدا تمہیں اجر عظیم سے نوازے اور تمہیں صبر دے۔ اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق بخشے۔ ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہمارے بال بچے سب خدا کی خوشگوار نعمتیں ہیں اور یہ ہمارے پاس خدا کی امانتیں ہیں ——— کہ جب تک یہ نعمتیں تمہارے پاس رہیں تمہیں خوشی اور مسرت حاصل ہو اور جب یہ واپس لے لی جائیں تو ان کے بدلے میں خدا تمہیں اجر عظیم سے نوازے ——— اگر تم نے آخرت کے اجر و ثواب کے لیے صبر کیا، تو تمہارے لیے خدا کی رحمت، عنایت اور ہدایت ہو، پس تم صبر سے کام لو۔ اور خیال رہے کہ کہیں تمہاری بے قراری بے صبری تمہیں اجر سے محروم کر دے اور تمہیں پچھتانا پڑے یقین کرو کہ بے صبری اور بے قراری سے کوئی مرنے والا کبھی لوٹ کر نہیں آسکتا، اور نہ اس سے دل کا غم دور ہو سکتا ہے اور جو حادثہ پیش آیا ہے اسے تو آنا ہی تھا۔ والسلام۔

جب نبیؐ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے

میدانِ عرفات میں شمع رسالت کے گرد ایک لاکھ چالیس ہزار پروانوں کا ہجوم ہے ایک اعلان ہوتا ہے "مجھے امید نہیں کہ آئندہ

سال بعد میں تم سے مل سکوں گا" اور مخلص جاں نثاروں کے دل ہل جاتے تھے۔

غزوۂ احد میں مسلمان جاں بازوں نے بڑی بے کسی کے ساتھ جانیں دی تھیں، آپؐ ان کی مقدس قبروں پر پہنچے، اور انتہائی رقت انگیز طریقے پر ان سے رخصت ہوئے۔

آپؐ نے فرمایا۔

"میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر جا رہا ہوں ۔۔۔۔۔ مجھے یہ خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے، مگر یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور اس کی خاطر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، اور پھر تم بھی اسی طرح ہلاک کر دیے جاؤ جس طرح پچھلی اُمتیں ہلاک ہوئیں۔

ماہ صفر سنہ ۱۱ھ کے آخری ایام تھے، جنت البقیع میں آپؐ تشریف لے گئے واپس آئے تو طبیعت بگڑ گئی اور پھر بگڑتی ہی چلی گئی جب تک سکت رہی آپؐ نماز کے لیے مسجد میں آتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، سر میں سخت درد تھا، ایک رومال آپؐ نے سر پر باندھ رکھا تھا ——— اور مغرب کی نماز میں آپؐ نے سورۂ المرسلات کی قرأت فرمائی۔ عشاء کی نماز کا وقت آیا تو پوچھا "نماز ہو چکی؟" حاضرین نے کہا، "سب آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں" آپؐ نے غسل فرمایا، اُٹھنے لگے تو غش آ گیا، افاقہ ہوا تو پھر غسل فرمایا، اُٹھنا چاہا تو پھر غش آ گیا، کچھ افاقہ ہوا تو تیسری بار فرمایا "کیا عشاء کی نماز ہو گئی؟" لوگوں نے کہا، "حضورؐ ہی کا انتظار ہے" آپؐ نے پھر غسل فرمایا مگر جب اُٹھنا چاہا تو پھر غش آ گیا، جب افاقہ ہوا تو فرمایا "ابو بکرؓ نماز پڑھائیں" "وہ بہت رقیق القلب ہیں، آپؐ کی جگہ

ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔" حضرت عائشہؓ نے کہا —— آپ نے پھر وہی حکم دیا۔ "ابوبکر نماز پڑھائیں۔" اس کے بعد پھر آپ کوئی نماز نہ پڑھا سکے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو آخری خطبہ دیا، وہ بڑا ہی رقت انگیز تھا، فرمایا:-

خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کر لے یا جو کچھ خدا کے یہاں ہے اسے قبول کر لے اور بندے نے خدا ہی کے پاس کی نعمتیں قبول کیں۔

یہ سننا تھا کہ ابوبکرؓ کی حالت غیر ہو گئی اور بے اختیار رونے لگے۔ لوگوں نے تعجب سے انہیں دیکھا کہ آخر یہ رونے کی کون سی بات ہے مگر راز داں نبوت راز پا گئے تھے۔

اور پھر وہ دن بھی آیا، جس کا غم کبھی نہ بھلایا جا سکے گا۔ یہ دو شنبہ کا دن تھا، صبح صادق کی سفیدی پھیل چکی تھی۔ مسجد نبوی کے نمازی مسجد میں جمع ہو چکے تھے۔ سرور عالم کی طبیعت آج کسی قدر سکون پر تھی، عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو خوشی سے آپ کے چہرے پر نور پھیل گیا۔ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت پائی ہوئی جماعت خدائے واحد کی عبادت میں مشغول تھی، آپ کچھ دیر تک یہ دلنواز منظر دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے۔ جاں نثاروں کو آہٹ محسوس ہوئی تو سمجھے کہ شاید آپ باہر آنا چاہتے ہیں اور وہ فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے۔ قریب تھا کہ نمازیں توڑ دیں، آپ کمزوری سے نڈھال تھے، زیادہ دیر تک کھڑے نہ رہ سکے اور پردہ چھوڑ کر لیٹ گئے —— اس کے بعد پھر آپ کی زندگی میں کسی نماز کا وقت نہیں آیا۔

جب کچھ دن چڑھا تو آپ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو

یاد کیا، اور فاطمہؓ غم سے بے تاب فوراً حاضر ہو گئیں۔ آنکھیں نمناک تھیں، دل دھڑک رہا تھا، طبیعت بے قابو تھی، باپ پر نظر پڑی تو بے اختیار آنسو اُبل پڑے، شفیق باپ نے بیٹی کو قریب بلایا دھیرے سے کان میں کچھ کہا اور فاطمہؓ زار و قطار رونے لگیں، شفیق باپ بیٹی کو روتے نہ دیکھ سکے، قریب بُلا کر پھر دھیرے سے کان میں کچھ کہا اور فاطمہؓ بے اختیار ہنسنے لگیں۔

"فاطمہؓ! یہ رونا اور ہنسنا کیسا؟" حضرت عائشہؓ نے بیٹی سے پوچھا: "پیاری اَمی! پھر کبھی بتاؤں گی یہ میرے پیارے باپ کا راز ہے" رسولؐ کے لختِ جگر نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔ اور پھر کسی موقع پر بتایا "پہلی بار ابا جان نے میرے کان میں کہا "بیٹی اب میری رخصت کا وقت آگیا" تو میں رونے لگی۔ پھر ابا نے میرے کان میں کہا "بیٹی! میرے گھرانے میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی" تو میں ہنسنے لگی"۔ ——

فاطمہ زہراؓ کی نگاہیں چہرۂ انور پر جمی ہوئی تھیں، آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی، اور درد و کرب سے آپؐ بے چین تھے، اَمی فاطمہؓ ضبط کرتیں، دل کو دباتیں لیکن فرطِ غم سے آواز بلند ہو ہی جاتی "ابا! میرے ابا! آپؐ کس قدر بے چین ہیں" اور بے چین باپ نے کہا "بیٹی! کیا تمہارے لیے یہ کم خوشی کی بات ہے کہ تم خواتینِ جنت کی سردار ہوگی"۔

اسی بے چینی میں آپؐ نے اپنے دونوں نواسوں کو یاد کیا اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دوڑے آئے۔ آپؐ نے دونوں کو پیار کیا، اور اُمت کو وصیت کی کہ ان دونوں کا احترام کرنا۔

پھر ازواجِ مطہراتؓ کو بلوایا، سب قریب آئیں، آپؐ نے ان پر محبت بھری نظر ڈالی اور کچھ نصیحت فرماتے رہے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے عزیز بھائی اور پیارے داماد حضرت علیؓ کو یاد فرمایا۔ وہ غم سے بے قرار آکر بیٹھ گئے اور سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا آپ کچھ دیر تک اسی حالت میں کچھ وصیتیں فرماتے رہے۔ زبان کچھ بے قابو تھی منہ سے پاک چھینٹیں اڑ اڑ کر خوش نصیب علیؓ کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور عالم بالا کے پاک فرشتے علی مرتضیٰؓ کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔

پھر غشی طاری ہوئی اور درد و کرب کچھ اور بڑھ گیا۔ آپ کے قریب پیالے میں پانی بھر ا رکھا تھا۔ بار بار آپ پیالے میں ہاتھ ڈالتے اور بھیگے ہوئے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے اسی بے چینی میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام فرمایا کبھی فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔ اے اللہ تو بڑا ہی رفیق ہے۔

اسی دوران حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبد الرحمٰنؓ آگئے ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی، آپ نے مسواک کو اشتیاق سے دیکھا، مزاج شناس رفیقۂ حیات سمجھ گئیں اپنے دانتوں سے مسواک نرم کی۔ اور آپ نے مسواک کی۔

دن ڈھل چکا تھا، سانس میں کچھ گھر گھراہٹ محسوس ہونے لگی تھی تکلیف کی شدت میں آپ کبھی چادر منہ پر ڈالتے کبھی ہٹا دیتے، اسی بے چینی میں مبارک ہونٹ ہلے اس وقت بھی آپ اُمت کی تعلیم و تربیت کے لیے فکر مند تھے، قریب بیٹھنے والوں نے سنا آپ کہہ رہے تھے:

اَلصَّلٰوۃُ، اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

نماز ، نماز اور تمہارے زیر دست

درد کی شدت سے آپ کی حالت بڑی ہی رقت انگیز تھی پیاری بیوی اپنی گود میں آپ کا سر مبارک رکھے تسلیم و رضا کا پیکر بنی بیٹھی تھیں۔ سخت تکلیف سے آپ کا چہرہ مبارک کبھی انتہائی سرخ ہو جاتا کبھی پیلا پڑ جاتا تھا۔ اسی عالم میں آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کو بلند کیا اور کہا،

بَلِ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اب اور کوئی نہیں بلکہ وہی بڑا رفیق ہے

اسی وقت ہاتھ لٹک گیا، پتلی اوپر چڑھ گئی اور روح اقدس جسم اطہر سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر حفیظ بنارسی

فرشتے میرے سر پہ رحمتوں کا سایہ ڈال دیں ۔۔۔ طہارتِ کلام دیں، لطافتِ خیال دیں
گر ہو میرے قلب میں سیاہی تو نکال دیں ۔۔۔ زبان میری موجِ سلسبیل میں کھنگال دیں
کہ نعت کہہ رہا ہوں میں شہنشہِ جہاں کی
زباں پہ میری بات ہے حبیبِ ذوالجلال کی

مری نظر میں آج اُس کا حسنِ مجمعِ صفات ہے ۔۔۔ جو روشنی ہی روشنی بحقِ ممکنات ہے
حیاتِ پاک جس کی فخر و نازشِ حیات ہے ۔۔۔ جو اس کا نقشِ پا ہے شمعِ جادۂ نجات ہے
تمام خوبیوں کا ایک مرقعِ حسین ہے جو
نگاہ و دل کی انجمن میں آج بھی مکیں ہے جو

طفولیت کے عہد ہی میں جو یتیم ہو گیا ۔۔۔ جو وارثِ بہشت و جنتِ نعیم ہو گیا
وہ جس کے اک اشارہ پر قمر دو نیم ہو گیا ۔۔۔ کشادہ جس کے واسطے درِ کریم ہو گیا
حیاتِ طیبہ اسی کی مرے روبرو ہے آج
اسی کی مدح لکھنے کو قلم یہ باوضو ہے آج

جو دلکشی غنچہ و گل و بہار میں رہی ۔۔۔ جو مہر و ماہ و کہکشاں کے جلوہ زار میں رہی
یہ کائنات ازل سے جس کے انتظار میں رہی ۔۔۔ وہ روشنی جو مدتوں حرا کے غار میں رہی
زمیں پہ ضو فگن ہوئی اُسی فلک جناب سے
میں آج فیضیاب ہوں اسی کی آب و تاب سے

خلیل کی دعا ہے، جو مسیحؑ کی نوید ہے   کلیمؑ کی نظر بھی جس کی ضو سے مستفید ہے
جو بابِ رحمتِ خدا کی معتبر کلید ہے   احاطہ اس کی خوبیوں کا مجھ سے بہت بعید ہے
مری بساط کیا جو میں ثنائے مصطفیٰ ﷺ لکھوں
خدا ہو جس کا مدح خواں میں اس کی مدح کیا لکھوں

ازل ہی میں چنا گیا وہ رہبری کے واسطے   ہر آئینہ بنا جمالِ احمدی کے واسطے
ہر انجمن سجی فقط اسی کے واسطے   یہ زندگی تو بس رہی تھی زندگی کے واسطے
لیے ہوئے وہ روشنی حق جہاں میں آ گیا
جہانِ ظلمت آبشارِ نور میں نہا گیا!

زبان اس کی ہو گئی کلامِ حق کی ترجماں   حقیقتیں بتا گیا حقیقتوں کا راز داں
نظر نے اس کی چھیڑ دی حیاتِ نو کی داستاں   ہوا وہ اپنے خُلق سے دلِ زماں پہ حکمراں
یہ خاک و آب و باد کا جہاں سنور گیا
نکھر گئی وہ رہ گزر جدھر سے وہ گزر گیا

مہک اٹھے دماغ و دل وہ ایسے پیرہن اٹھی   کسی کی اک نگاہ سے وہ نور کی کرن اٹھی
دیارِ ظلم و جہل سے نوائے علم و فن اٹھی   بتوں کی انجمن سے خود صدائے بت شکن اٹھی
جنھیں غرورِ کبر تھا وہ کبریا کے ہو گئے
جو تھے منات و لات کے فقط خدا کے ہو گئے

جو بے زبان تھے انھیں زباں ملی بیاں ملا   یتیم اور بیوہ کو علاجِ دردِ جاں ملا
تھا جس کا جو بھی حق یہاں وہ اس کو بیگماں ملا   غلام کو بھی رتبۂ مشیرِ شہ زماں ملا!
تمام آبگینوں کو مئے طلب سے بھر دیا
نہ کر سکا تھا جو کوئی وہ مصطفیٰ ﷺ نے کر دیا

ترانۂ خدائے لاشریک گنگنا اٹھا   لبِ فسردۂ جہاں خوشی سے مسکرا اٹھا
زمینِ تیرہ بخت کا نصیب جگمگا اٹھا   خزاں رسیدہ گلشنِ حیات لہلہا اٹھا
خدا کی رحمت آ گئی بہار بن کے چھا گئی
قدم رکھا جس انجمن میں اس میں جان آ گئی

نظر نظر میں آفتاب آگہی لیے ہوئے — نفس نفس میں ایک کیف سرمدی لیے ہوئے
پیام صلح و خیر و امن و آشتی لیے ہوئے — کلام حق کی دلکشی و دلبری لیے ہوئے

بشیر بن کے آگیا، نذیر بن کے آگیا!
تمام قافلوں کا وہ امیر بن کے آگیا

رفیق صبح آگیا، انیس شام آگیا — بجھی دلوں کی تشنگی وہ دور جام آگیا
عرب کی سرزمین پہ مہر تمام آگیا — جہاں میں غلغلہ ہوا نیا نظام آگیا!

زمیں کی مانگ سج گئی کچھ ایسی آب و تاب سے
فضائے دہر گونج اٹھی نوائے انقلاب سے

نہ کوئی اسود ہی رہا نہ کوئی احمری رہا — بنی اک ایسی انجمن نہ کوئی اجنبی رہا!
نہ تاج خسروی رہا نہ تخت قیصری رہا — رہا دلوں میں کچھ تو شوق بندگی رہا

گناہ گار اک نظر میں پاکباز ہو گئے
جھکے جو اس کے حکم پر وہ سرفراز ہو گئے

فضول کھیل کود سے ہمیشہ بے نیاز تھا — نگاہ حق نگر میں کچھ نہ جلوۂ مجاز تھا
پھر اس کی خاص بات تھی یہ اس کا امتیاز تھا — وہ عہد طفلی و شباب میں بھی پاکباز تھا

ہر ایک باب اس کی زندگی کا لاجواب ہے
حیات پاک اس کی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے

کلی کلی نثار ہو چمن چمن نثار ہو — وہ اس کی سادگی کہ جس پہ بانکپن نثار ہو
وہ خامشی کہ جس پہ دفتر سخن نثار ہو — وہ اس کی دلبری کہ جس پہ جان و تن نثار ہو

نہ جانے اس نے اک نظر میں کیا سبق پڑھا دیا
جو راہزن تھے ان کو میر کارواں بنا دیا

فضائے زندگی کو اس نے ہر طرح حسیں کیا — خلاف حق جو کام تھا کبھی اسے نہیں کیا
غلط کہ اس نے تیغ کے سہارے کار دیں کیا — غلط کہ اس نے مادی وسیلوں پہ یقیں کیا

عدو بھی اس کی صلح سے عیاں ہے اس کی نرم خو
ہوا ہے کوئی اور نہ ہو سکے گا ایسا صلح جو

وہ ذات جس پہ ختم انبیاء کا سلسلہ ہوا — وہ ذات جس پہ نعمتِ خدا کا خاتمہ ہوا
وہ ذات جس سے رازِ کن دلوں پہ آئینہ ہوا — وہ ذاتِ پاک جس سے دینِ حق کا تکملہ ہوا

وہ مجتبیٰ کی ذات ہے، وہ مصطفیٰ کی ذات ہے
بزرگ اس کی ذات سے فقط خدا کی ذات ہے

وہی صادق و امیں جو خلق سے وفا کرے — دراز سب پہ اپنے لطف کا جو سلسلہ کرے
جو اپنے دشمنوں کے حق میں بھی نہ بددعا کرے — جو چوٹ کھا کے اور کہے خدا ترا بھلا کرے

وہی مرا رہبر وہی مرا رسولؐ ہے
اُسی سے سب پہ رحمتِ خدا کا یہ نزول ہے

خیال جس رسولؐ کا سکونِ قلب و دیدہ ہے — جو آبروئے گلشنِ جہانِ آفریدہ ہے
بالاتفاق و بالیقین جو خدا رسیدہ ہے — خدا کے بعد جس کی ذات سب سے برگزیدہ ہے

فدا حفیظ دولتِ تمام اس کے نام پر
درود اس کے نام پر سلام اس کے نام پر

سلام

ماہرالقادری مرحوم

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر کہ جو زخمی ہوا بازارِ طائف میں

سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اس پر کہ جس نے زمانے کی بدل ڈالی
سلام اس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی

سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت، تاجِ دارائی

سلام اس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے

درود اس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے

✤